

DYAL SINGH PUBLIC LIBRARY
ROUSE AVENUE
NEW DELHI-1.

Dyal Singh Public Library

ROUSE AVENUE, NEW DELHI-1

Cl. No. 891.4393

651 3

Ac. No.

2146

Date of release for loan

This book should be returned on or before the date last stamped below. An overdue charge of 0.10 P. will be charged for each day the book is kept overtime.

ایک سماجی، اچھوتا ناول

طوسی

دیکھتے ناندی

ناز کتاب گھر، شاندار مارکیٹ، ٹیٹا محل، جلی

جملہ حق بحق پبلشر محفوظ ہیں •

| | |
|--------------|-----------------|
| بار اول : | ایک ہزار |
| ناول : | طوسیہ |
| مصنفہ : | زوبیہ نازلی |
| کتابت : | ایس۔ نواب |
| آؤشٹ : | ای۔ روز |
| بلاک : | رنگ محل |
| پریس سرورس : | میکشن پریس |
| مطبوعہ : | اعلیٰ پریس دہلی |
| قیمت : | آٹھ روپے 8/- |

باہتمام محمد انوار فاضل کتاب گھر
شاندار مارکیٹ،
سیاحل، دہلی ۶

نوائے پریاں

میرا ناول ”طوسیہ“ آپ کے ہاتھوں میں
طوسیہ ایک کردار ہے۔ ایک عام گھرلو کردار۔ محبت،
عزت، انجمنوں اور مصائب سے پر کردار۔
طوسیہ ایک عورت ہے جسے سہارے کی ضرورت ہے۔
جانتی ہے:

تمام عمر سہاروں کی آس رہتی ہے
تمام عمر سہارے فریب دیتے ہیں
زمانہ کتنا ہی بدل جائے لیکن سہارا عورت کی کمزوری
اں رہے گا۔ اسے ہر دم سہارے کی تلاش رہے گی۔ یہ سہارے

ماں باپ کی شکل میں ملے یا بھائی کی صورت میں ظاہر ہو۔
جاسے خوابوں کی دنیا میں آکر پھیل سجادینے والا محبوب حقیقی
دنیا میں اس کا ماتم ختم ہو جائے۔

اس ناول کے تمام ہی کردار گھسریلو ماحول میں رچے بسے
ہیں۔ اس کے باوجود آپ اس کہانی کو عام ڈوگرے ہٹ بکر
پاتیں گے۔ اس میں کچھ تو میری جدت پسندی کا تقاضا ہے اور
کچھ یہ خیال کہ ایک سی چیز بار بار پڑھ کر لوگ بور ہونے لگتے ہیں۔
لوگ کہتے ہیں میری تحریر میں ایک چھجن ہے اس پر
میں نے اپنا انداز تحریر بدلنے کی کوشش کی تھی لیکن شاید
یہ چھجن میری روح میں سرائت کر چکی ہے۔

بہر حال "طوسیہ" پڑھیں، لیکن یہ لکھنا نہ بھولیں کہ
میں اپنی کوششوں میں کہاں تک کامیاب ہو سکی ہوں۔

رو بیت خانزادی

تیرے تصور کے نام !
 تنہائیوں میں بھی مجھے محسوس یہ ہوا
 تیرا خیال ساتھ ہے تنہا نہیں ہوں میں

س درجہ دل شکن تھے محبت کے جوہلے
ہم زندگی میں پھر کوئی حسرت نہ کر سکے

جیل نے پوری قوت سے بریک لگایا تھا۔ لیکن اس کے
 باوجود اس کی لمبی لمبی سیاہ بیوک کئی فٹ آگے تک لٹٹی چلی گئی
 پہیوں سے خارج ہوتی ہوئی پرامیٹ کی آواز سے گذرتے
 ہوئے قدم رکنے لگے۔ نظریں سڑک کے وسط میں ٹھہری ہوئی
 بیوک پر تھیں اور بیوک سہمی ہوئی طوسیہ کے قدموں میں کھڑی تھی
 بیتہ نہیں لوگ زندگی سے اتنے بیزار کیوں ہو گئے ہیں
 کہ گاڑیوں سے ٹکراتے پھرتے ہیں۔

جیل بڑبڑاتا ہوا جھلا کر باہر دیکھنے لگا۔
 طوسیہ نے سہمی ہوئی نگاہوں سے جیل کی طرف دیکھا
 اور پھر گردن جھکالی۔

”لب ہٹ بھی چکے محترمہ“ وہ مسکرا دیا۔
 ”خیالوں میں اس قدر غرق بھی نہ رہا کیجئے کہ ٹریفک ہی

رک جائے۔
 طوسیہ گھبرا کر ایک طرف ہو گئی۔ جمیل کی مسکراہٹ اور
 اس کی طرف جھپی ہوئی راہ گیروں کی نگاہوں نے اسے بدھو اس
 کر دیا تھا۔

شکرہ جمیل گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولا
 طوسیہ نے اپنے قریب سے گزرتی ہوئی کار پر ایک اجنبی
 سی نظر ڈالی اور ایک طویل سرد سی آہ دل کی گہرائیوں سے
 نکل کر کاٹتے ہوئے ہونٹوں پر رک گئی۔
 دیوانی لڑکی۔ سر جھکائے اس طرح جا رہی تھی۔ جیسے
 اس کے گھر کا لان ہو۔

جمیل آہستہ سے بڑبڑایا۔
 لیکن دوسرے ہی لمحہ اس کی مسکراہٹ سنجیدگی میں بدل
 چکی تھی، نظروں کے سامنے سہمی ہوئی ویراں سی نگاہیں کر
 رہیں گئی تھیں

جمیل کو یوں لگا جیسے وہ گھبراہٹ گھبراہٹ سی لڑکی اسے بڑی
 بے کسی سے دیکھ رہی ہو۔
 تم نے گاڑی کیوں روک لی۔ گزارے جاتے مجھ پر سے

تم نے یہ ظلم کیوں کیا۔
 اس کی معصوم سی ویران نگاہیں کتنی ہلکی معلوم دیں۔
 جیل کا دل چاہا۔ ایک بار وہ لڑکی پھر مل جائے۔ کتنی
 حسرت تھی اس کی آنکھوں میں کتنی معصومیت تھی اس کے
 چہرے پر... کاش وہ ایک مرتبہ پھر میری گاڑی کے سامنے آجائے
 اسے محسوس ہوا جیسے وہ سچ فحش اس کی گاڑی کے سامنے
 آگئی ہو۔ اور جیل نے ایک مرتبہ پھر پوری قوت سے ریک لگا دیئے۔
 سڑک کے سینے پر گھسٹتے ہوئے ٹائیسوں کی جینے نے راہ چلتے
 لوگوں کو چونکا دیا۔

جیل نے سر کو جھٹکا اور کار کو آگے بڑھا دیا۔ اس لڑکی کی
 معصوم سی اداس آنکھیں جیل کے ذہن سے چپک کر رہ گئی
 تھیں۔ اسے ایک بار اور دیکھنے کی حسرت میں جیل نے
 پورے شہر کا پیکر لگا ڈالا۔ لیکن وہ لڑکی دوبارہ کہیں نہیں ملی۔
 "لڑکی تھی یا کوئی کھٹکی ہوئی روح۔"
 اتنی رات گئے تک ایک انجانی خواہش کے تحت سڑکوں
 پر ایک سائے کی تلاش میں پھرنا۔ وہ اپنی حماقت پر مسکرایا۔

جمیل سیٹی ریفری موسیقی کے دھن بجاتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔ انگلی میں شمار کی جاتی گھماتا ہوا اپنی والدہ کے کمرے کے سامنے سے گذرا۔ کمرہ روشن تھا اندر سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ جمیل رک گیا اس نے سوچا والدہ کو سلام کرتا چلے۔

کمرے میں اس کی والدہ اور بہن نیلا بیٹھی باتیں کر رہی تھیں سیٹی کی آواز سنتے ہی والدہ نے نیلا کو بھائی کے کمرے میں لے گا اشارہ کیا۔ نیلا نے بھائی کو آواز دی اور دوسرے ہی لمحے جمیل کمرے کا پردہ اٹھاتا ہوا اندر داخل ہوا۔

”ہیلو می۔ کیسے یاد فرمایا آپ نے اپنے نالائق بیٹے کو“ جمیل مسکراتے ہوئے بولا۔

جمیل کو دیکھتے ہی نیلا نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب پر نظریں جمادیں۔ وہ ایسی بن گئی جیسے اس نے جمیل کو دیکھا ہی نہ ہو۔ ”زیادہ دیر تک نظریں جانے سے بینائی کمزور ہو جاتی ہے۔“ جمیل نے نیلا کی جھٹیا کھینچتے ہوئے کہا۔

”ادنیٰ.. ممی؟۔“ اشد کرے ہاتھ ٹوٹیں۔

”نہ کرنا لائق۔“ سال مصنوعی غصہ سے بولیں۔

”ممی سنا ہے اس طرح لڑکیوں کے دلغ میں روشنی آتی ہے۔“

”اچھا.. اچھا.. بیٹھ مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“ جمیل کی والدہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

”لیجئے بیٹھ گئے۔“ جمیل قریب رکھی ہوئی کرسی پر دم سے بیٹھتے ہوئے بولا۔

”امہ بھائی جان ہم صبح سے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ بڑی شاندار خوشخبری آپ کے لئے بھلا بتائیے کیا ہو سکتی ہے؟“ نبیلا کرسی چھوڑ کر جمیل کے کاندھوں پر چھوٹی ہوئی بولی۔ ”اے پہلے اسے دم تو لینے دے۔ ابھی تو وہ کلینک سے آ رہا ہے۔“ ممی نے پیار سے نبیلا کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میں آج کلینک نہیں گیا۔“ جمیل گلدستہ سے پھول نکال کر سونگھتے ہوئے بولا۔ ”ڈاکٹر صاحب کی تشریف کہاں سے آ رہی ہے پھر کیا کر رہے تھے صبح سے اب تک۔“

”برہم کیس ناپ رہا تھا۔“ جمیل بولا۔

”پھر کتنی ناپی۔“ نبیلا ہنستے ہوئے بولی۔

”کچھ بھی نہیں۔“ نبیلا جاتا تھا، بھولا جاتا تھا، جمیل مسکرتے ہوئے ”یعنی حساب برابر رہا۔“

عقل مند ہوتی جا رہی ہو۔ مہی کی صحبت کا اثر ہے آخر ہے نامہ۔
 جمیل ماں کی طرف دیکھتا ہوا ہوا۔
 اللہ کا شکر ہے لیکن اپنی کہو۔ بدصو کے بدصو ہوا رہے۔
 ابھی تک۔

بہلا ہنستے ہوئے بولی۔
 ”دیکھیے مہی بھائی مجھے اپنی لاڈلی بیٹی کو“
 لاڈلے تو آپ ہیں جیسی تو آئے دن۔ کلنگ سے بھاگتے رہے ہیں۔“
 مہی دونوں کی باتیں سن کر دل میں سکرار ہی تھیں۔
 ”مہی آپ خاموش کیوں ہیں۔“
 جمیل مہی کو خاموش دیکھ کر بولا۔
 ”تم دونوں لڑچکو تو بولیں۔“
 مہی سکراتے ہوئے بولیں۔
 ”آپ فرمائیں مہی۔ لڑکیاں تو تمام عمر لڑ سکتی ہیں جمیل نبیلا کو
 سنہ چڑھاتے ہوئے بولا۔
 ”بیٹا آج میں نے تمہارے لئے ایک لڑکی دیکھی ہے۔ میری خیال
 ہے اب جلد تمہاری شادی کر دوں۔“
 مہی نے بیٹے کو پیار بھری نظروں دیکھتے ہوئے کہا۔

”مگر می میرا بھی ایسا کوئی خطرناک ارادہ نہیں۔“

جیل گھبرا کر بولا۔

”دل میں چاہیے لٹو بیوٹ رہے ہوں۔“

نبیل زبان دکھاتی ہوئی بولی۔

شادی کے لئے بچوں سے۔۔۔ بکا ارادہ نہیں سلوم کیا جاتا۔

می نے کہا۔

”مگر می شادی والدین کی نہیں اولاد کی ہوتی ہے۔“ جیل

نے جواب دیا۔

خوب... خوب... اچھے ڈاسلاگ ہیں۔ بھائی جان اچھے

جارہے ہیں آپ۔ واللہ کسی چھے آنے والی فلم کے ہیرو لگ

رہے ہیں ایکدم۔

”آپ تو اپنی چونچ بند ہی رکھیے۔“

جیل نبیل کو گھورتے ہوئے بولا۔

”بھئیے بھلائی کا زمانہ ہی نہیں۔ میں تو تعریف کر رہی تھی۔

اپنی تعریف اپنے پاس ہی رہنے دیجیے۔“

جیل سنجیدگی سے بولا۔

اچھا جناب نہیں کرنے آپ کی تعریف لیکن انکار کی کوئی

وجہ تو تائیے۔

نہیں بھی سنجیدہ ہو گئی

”فدا سوچو نبیلا میں اس لڑکی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا

پھر شادی میری ہوئی ہے میری پسند... نیزامعیار...“

تم بھول رہے ہو بیٹا۔ ماں ہمیشہ اپنے بچوں کی بھلائی چاہتی ہے۔ وہ لڑکی بہت نیک اور خوبصورت ہے یہی شریفوں کا معمول ہو کر رہا ہے۔

مجھے معلوم نہیں تمہارا ایڈیٹل کیا ہے لیکن تم اگر کسی مغرب زدہ لڑکی کے لئے سوچ رہے تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ جمیل تعلیم اور آزادی کا مطلب یہ نہیں کہ بچے بے بہرہ ہو جائیں۔

”لیکن میں ابھی اس حوالہ میں پھنسنا نہیں چاہتا۔“

جمیل جمعجھلا کر بولا۔

”تو کیا بڑھاپے میں شادی کرو گے؟“

ممتی نے جواب دیا۔

”ممتی ابھی تو بھیا کے دودھ کے دانٹ بھی نہیں ٹوٹے۔“

نبیلا بولی۔

اے نبیلا تو چپکے نہیں تو...“

ابھی روڑوں گا۔ نیلا بات کاٹ کر بولی۔
 خاموش رہو نیلا۔ مئی نے کہا۔
 پھر وہ جیل کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔
 کل اتوار تھے۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے۔
 ”کہاں۔ مئی۔“ جیل نے پوچھا۔
 ”لوہ کی ماں تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں۔ میرا خیال کل ہی منگنی
 کر دینے کا ہے۔“

مئی نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا۔
 ڈیڑی سے تو بات کرتیں۔
 ”بات کریں گی ہوں۔ ان کا بھی یہی خیال ہے۔“
 مئی نے جواب دیا۔
 مرگئے بیٹا جیل

جیل دھیرے سے بولا۔
 ”کیا کہہ رہے ہو۔“ مئی نے جیل کی بات سنی نہ تھی۔
 ”کچھ نہیں مئی۔ میں کہہ رہا تھا اس اتوار کو تو مجھے بہت
 ضروری کام ہے۔ اگلے اتوار پر رکھ لیجیے۔
 جیل ہنستا ہوا بولا۔

”بکومت۔ کل تجھیں ہمارے ساتھ چلنا ہے۔
میں نے کہہ دیا ہے غمی۔ میں ابھی شادی نہیں کروں گا۔ جمیل
اٹھتا ہوا بولا۔

شب بخیر!

شب بخیر!

میں نے جواب دیا۔

جمیل کے کمرے سے نکلنے کے بعد چدرلے خاموشی رہی۔

پھر نبیلا نے سکوت توڑا۔

”میں کہتی ہوں غمی بھی بہت خود سر ہو گئے ہیں۔ وہ.....“

”بیکار بات مت کرو۔ غمی بات کاٹ کر بولیں۔“ لکلی غریب

ضرور ہے لیکن میرا ہے میرا۔“

”پھر اسے سہارے کی تو ضرورت ہے۔ اٹھا کر بھائی جان

مان جائیں تو کتنا اچھا ہو۔“

نبیلا حسرت سے بولی۔

”ہاں بیٹی ایسے میں تو دشمن اپنی دشمنی بھول جاتے ہیں

پھر وہ تو رشتہ دار ہیں۔ تم جا کر جمیل کو سمجھاؤ۔“

”اچھا میں کوشش کرتی ہوں۔“ نبیلا اٹھتے ہوئے بولی

”اچھا اب تم بھاگ جاؤ یہاں سے۔“
 ”ارے بھائی جان۔ آپ نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ کل کونسا سوٹ پہنکر جائیں گے۔“

نبیلہ جمیل کی بات نظر انداز کرتی ہوئی بولی۔
 ”نبیلی بہن۔“ جمیل نے دکھ سے کہا۔ نہ ستا یا کرو۔ میں ویسے ہی پریشان ہوں۔

”اوہو... کیا شادی سے پہلے ہی بیوہ ہو گئے ہو۔“
 نبیلہ شرارت سے بولی۔

”یا اللہ عورت اور شیطان سے محفوظ رکھ۔“
 جمیل ہاتھ جوڑتا ہوا۔

نبیلہ ہنس پڑی۔

بھئی یہ اچانک نمی کے داغ میں زلزلہ کیوں آیا کونسی پرزہ
 نظر آگئی انھیں... ذرا جغرافیہ تو بتاتا اس بد قسمت لڑکی کا۔
 ”ہا کے اللہ۔ بھائی جان۔ بد قسمت تو نہ کہیں اسے۔“

اچھا بھئی وہ خوش قسمت ہے ہی بد قسمت ہی کچھ اگلو تو جمیل جھجھلا کر بولا۔
 آپ بھی خوش قسمت ہیں۔ بھائی جان، اللہ۔ کتنی پیاری ہے وہ...
 بالکل سنگ مرمر کا مجسمہ ہے۔ لمبے لمبے بال، معصوم سی نگاہیں، لاساوند...

مئی نے طویل سانس لی اور نبیلا کے جانے کے بعد مسہری پر دھڑکنے لگی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے لڑکی بھولی بھالی سی معصوم صورت پھرنے لگی۔

جمیل نے اپنے کمرے میں پہنچ کر کوٹ اتار کر صوفے پر پھینکا
ٹالی بستر پر اچھال کر وہ صوفے پر ہی بیٹھ گیا

”لو بیٹے جمیل... اب تم بھی لائن پر لگ جاؤ۔“

وہ جیب سے سگار نکال کر سگاتے ہوئے بڑبڑایا۔

”مئی کو یہ ایک ایسی سوچھی کیا۔“

جمیل نے سگار کا کش لیتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔ دروہ

پر قدموں کی آہٹ سن کر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ نبیلا تھی۔ وہ پھر
مئی کے منتقل سوچنے لگا۔

”پیارے بھتیجا۔“

نبیلا پیچھے سے اس کے گلے میں باہیں ڈال کر جھولتے ہوئے

ارے ہٹو... کہاں اپنا بارہن کا بوجھ لاد دیا مجھ ناتواں پر۔“

وہ اس کے ہاتھ ہٹاتا ہوا بولا۔

”واقعی ناتواں تو انی تو چہرے سے ظاہر ہو رہی ہے۔“

نبیلا ہنستے ہوئے بولتی۔

بس بس... پھر تو ان کی شادی کسی شام سے ہوئی چاہیے جو
 ان کو سامنے بٹھا کر شعر سنایا کرے۔ میں تو ڈاکٹروں سے نہیں کہہ
 سکتا۔ انجکشن لگا سکتا ہوں۔ چیر بھاڑ کر سکتا ہوں۔

جمیل نبیلا کی بات کاٹ کر بولا۔

”بھائی جان اتنے سنگدل نہ بنیے۔ وہ بے سہارا لڑکی ہے۔
 ایک ماں کے سوا اس دنیا میں اس کا اور کوئی نہیں۔ ماں بچاری
 بھی قریب المگ ہے۔ اسے سہارا چاہیے۔ آپ اگر چیر بھاڑ کر سکتے
 ہیں تو زخموں پر بچھا یا بھی تو رکھ سکتے ہیں۔
 نبیلا کی آنکھوں میں آنسو تھلک اُٹے۔

”بہت خوب“۔ جمیل طنز سے بولا۔ ”جی اور تم کو اتنی ہی ممدردی
 ہے تو یتیم سمجھ کر پال لو تو اب بھی ملے گا۔

”کیا آپ برے ظالم ہیں۔ آپ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ یہ
 مجھ کو لگتا ہے کہ کبھی آپ بھی پریشان ہو سکتے ہیں کوئی آپ کی بے بسی پر
 بھی ہنس سکتا ہے۔

نبیلا نے غصہ میں جواب دیا۔

”اچھا بابا جاؤ سر میں درد کرو یا تم نے آج نہ معلوم کس ہانڈ

لے رکھا تھا۔ ایک رہ محترمہ ٹھکرا گئیں... اور اب...“

کون محترمہ۔ نبیلا نے پوچھا۔
 مادم نہیں کون تھی۔ کار کیسے آنے سے بال بال بھی ہے
 جیل پھر اس کی طبعی ہوئی آنکھوں کی تصویریں کھو گیا۔
 ہوگی کوئی دیوانی۔ کل کلینک سے جلدی آجائے۔ ممی نے
 کہا ہے۔

نبیلا کمرے سے نکلتے ہوئے بولی۔
 نبیلا کے جانے کے بعد وہ کافی دیر تک اسکے متعلق سوچتا رہا
 کھوئی کھوئی سی دیران آنکھیں معصوم سا چہرہ۔ اسے ایسا لگا
 جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہو۔ کون کتنی وہ..... وہ دیر تک اس
 کے متعلق سوچتا رہا "چھوڑو جمیل" وہ رنجشک کر بولا۔
 کوئی بھی ہو تھیں۔ تم تو کل کی سوچو۔ کل کیا کرو گے۔ بھاگ
 جاؤں گا صبح ہی..... اور رات کو گھسوں گا گھر میں ممی ناراض
 ہوں گی۔

اس نے اپنے آپ سے کہا۔

نہیں متی معاف کروں گی۔ میں ان سے کہوں گا۔ آپ ہی تو
 ہستی ہیں۔ اگر صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو بھولا نہیں کہلاتا۔
 وہ مسکراتے دیر سے بولا۔

اس نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کئے اور بستر
 میں گھس گیا۔ لیکن خوابوں میں بھی سوسہمی ہوئی تھی
 بار بار اس کی کھالڑی سے نکراتی رہی وہ منہ
 بنا بنا کر رو میں بدلتا رہا۔

حادثات بھی کتنے کٹھور ہوتے ہیں۔ طوسیہ
 نے حسرت سے سوچا۔ یہ گاڑیاں انہیں تو کچل
 دیتی ہیں جنہیں زندگی سے پیار ہے۔ مگر جو مرنا چاہتے
 ہیں۔ ان سے یہ بھی منہ موڑ لیتی ہیں۔

اہل کی بہانہ گزرنے کے بعد بھی وہ وہیں کھڑی سوچتی رہی۔ پھر
 تھکے تھکے قدموں سے آگے بڑھ گئی۔ وہ صبح سے نوکری کی تلاش
 میں لی۔ اس کی ڈگری لئے پھر رہی تھی۔ لیکن آج اسے احساس
 ہوا کہ جو وہ سال کی سسل محنت سے حاصل کی ہوئی اس ڈگری کی کوئی قدر
 دو ایک ہفتہ اسے نوکری ملی تھی لیکن طوسیہ نے نوکری دینے والوں
 کے تہہ دیں پر جنسی بھوک، عیاری کے سائے صاف چھلتے ہوئے
 دیکھ لئے۔ طوسیہ گھبرا کر ان کے دفتر سے نکل آئی تھی۔
 اس نے اپنی پرستہ کے قطرے ابھر آئے تھے۔ اور تب اس کا
 دل جھپکا کہ ڈگری کے پرزے پرزے کر کے ہوا میں اڑا دے۔

”چلو تواب گھروٹ چلو۔ تمہارے مقدر میں نوکری نہیں ہے
وہ تلخی ہے بولی

اس نے پلکوں پر رزرتے ہوئے اشکوں کو ہاتھ سے ملتے
ہوئے گھر کی جانب تھمڑا دیئے بیمار ماں کا چہرہ اس کی نظروں
میں گھوم رہا تھا۔ کمزور اور ناتواں ہڈیوں کا ڈھانچہ چارپائی پر
بڑا تھا۔

”امی! طوسیہ گھر میں قدم رکھتے ہی ماں کی طرف اُسکی۔
بیمار ماں نے آنکھیں کھول کر بیٹی کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو
”کیا ہوا طوسیہ۔ نوکری سی ملی۔“

لیکن طوسیہ کی حسرت بھری ویران آنکھوں نے اسے سب
کچھ سمجھا دیا۔ وہ سسک کر رہ گئی۔

”ماں! طوسیہ بچوں کی طرح ماں کی گود میں سر چھپا کر
ناشروع کر دیا۔“

”یگلی! ماں اپنا کانپتا ہوا کمزور ہاتھ طوسیہ کے سر پر پھیرتی ہوئی
بولی: ”بچے نوکری کرنے کے لئے تو میں نے پڑھایا نہیں کوئی بھی
ماں یہ نہیں چاہتی۔ خدا! یہ نصیب کھولے۔ کل وہ لوگ آئے۔“
میں۔ اللہ کو شکر ہو تو جلد ہی تیری شادی کر دوں گی

ماں نے سر و طویل سالتس لی اور غلام میں گھورنے لگی۔
 ”نہیں امی... میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔“
 طوسیہ آنسوؤں بھری سرخ سرخ آنکھوں سے ماں کی طرف
 دیکھتی ہوئی بولی۔

”جانا ہی پڑے گا بیٹی کیوں؟ کوئی کب تک جوان لڑکی کو گھر
 میں بٹھا تا ہے۔“ ماں نے زبردستی مسراتے ہوئے کہا۔ ”ایک
 نہ ایک دن تو لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے۔“

”نہیں امی غریبوں کی لڑکیوں کی بھی شادی نہیں ہوتی۔
 اب لڑکیوں کی بجائے دولت سے شادی کی جاتی ہے۔ اور
 دولت بھی وہ چیز ہے جو ہمارے پاس نہیں۔“

طوسیہ کی آنکھیں حقارت سے سلگ اٹھیں۔
 ماں کی پتھرائی ہوئی سسی آنکھیں طوسیہ کے چہرے پر جم کر
 رہ گئیں۔ ہونٹ کاٹنے لگے جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہو۔ لیکن
 جذبات کی شدت سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

”امی... آپ ہر سال نہ ہوں۔ خدا کا رسا نہ ہے۔“
 ”نومیہ نے ماں کے سر پرانے سے دو اکی شیشی اٹھائی اور پرالی
 میں دوا اندر ل کر ماں کی طرف بڑھا دی۔“

”بٹیا کل کہیں نہ جانا۔ شاید وہ وہی ملگنی کے لئے آئیں۔“
 ماں دوپائی کر پیانی طوسیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔
 طوسیہ کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کا دل
 چاہا ماں سے کہجے۔

”دن میں خواب نہ دیکھا کرواں۔ ان خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی،
 لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ الفاظ اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئے
 اس نے ماں کے چہرے پر نظر ڈالی جہاں تقدس کا نور برس رہا تھا۔
 نقاسہ سہرا رہی تھی طوسیہ کی ہلکوں پر آنسوؤں کے دو قطرے چھلک
 آئے۔ اس گریں موڑ لی۔

دوسرے دن آنکھ کھلتے ہی طوسہ سے ماں کے پلنگ سے پاس آئی۔ ماں آنکھیں بند کئے لیٹی تھیں۔ طوسہ نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بخار کا اندازہ لگایا۔ اس وقت بخار بالکل نہیں تھا۔ طوسہ مطمئن ہو کر گھر کے کاموں میں لگ گئی۔

جب سے ماں بیمار ہوئی تھیں۔ طوسہ کا معمول بن گیا تھا۔ صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے وہ ماں کے پاس آتی طبیعت کے متعلق اندازہ لگانے کے بعد ان کے ناشتہ کا بندوبست کرتی پھر دوا پلانے کے بعد جو روکھا ہو کہ یہ تندرست کا شکا ادا کرنے لگاتی اور ماں کی تیمارداری میں لگ جاتی۔

گھر کا ناشتہ ایک۔ ایک کر کے ختم ہو چکا تھا۔ طوسہ کو اپنی تو فکر ہی نہیں تھی لیکن بیمار ماں کے لئے دوا تو بہ حال آتی تھی۔ چنانچہ کافی سوچ بچار کے بعد اس نے طاز مست کرنے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ اب وہ ماں کے ناشتہ اور دوائی سے فائدہ ہوتے ہی گھرتی

نوکری کی تلاش میں نکل جاتی۔ لیکن بد قسمتی نے ابھی ماں بیٹیوں کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ اسے ابھی تک کہیں نوکری نہیں مل سکتی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید وہ بد دل ہو کر نوکری کا خیال ہی دل سے نکال بھی سکتی۔ مگر یہ تو زندگی اور موت کا سوال تھا۔

وہ نوکری کی تلاش میں نکلنے سے پہلے ماں کے پاس گئی تو ماں نے اسے باہر جانے سے منع کر دیا۔ طوسیہ نے ماں کی بے بسی ہوئی طبیعت دیکھی تو اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ آئیو الے مہمانوں کے استقبال کی تیاری کر چکنے کے بعد۔ ماں کے کہنے پر لے گلابی رنگ کی ماری پیٹ میکانیکی گھنگ لے کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

مجاز جو اردو ادب کا کیش ہے۔ طوسیہ کا پسندیدہ شاعر تھا۔ نظریں اپنے محبوب شاعر کی ادارہ پر جمی تھیں۔ لیکن خیالات۔ نئے حالات کے تانے بانے میں الجھ کر اسے کہیں اور پہنچا دیا تھا۔

ایک ایک کی وہ چونکسا تھی۔ اس نے ماں کی طرف دیکھا جو ہر آہٹ پر حسرت سے دروازے کی طرف دیکھتی اور پھر دہان کسی۔ اگر اس کی نگاہوں میں مایوسی چھا جاتی تو اسے ماں

کی حالت پر تیس آٹھ لگا۔ دن تو صبح گیا۔۔۔۔۔ اور انتظار
جی انتظار میں باقی آگے تک گئی۔

وہ سوچنے لگی خدا باپ کا سایہ کسی کے سر سے نہ اٹھائے
اس کا باپ کوئی اقمیر آدمی نہیں تھا متوسط طبقہ کا فرد ہونے
کے باوجود اس نے اپنی بیٹی کی بڑی ناز و نعم سے پرورش کی تھی۔ لیکن
وہی طوسیہ جو مل والدین کی آنکھوں کا تارہ تھی۔ آج تو کمری کی
تلاش بیمار درخت کے پر چھو رہی تھی

ابھی وہ انٹر کے امتحان سے فارغ ہی ہوئی تھی۔ کہ باپ بیمار
ہو گئے۔ جوں جوں باپ کی بیماری طوالت پکڑتی گئی۔ ماں بیٹی کی پریشانی
میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ آخر کار باپ کی طویل بیماری موت پر ختم ہوئی۔
طوسیہ کی ماں بڑی حوصلہ مند عورت تھی۔ شوہر کے انتقال نے
حقیر سے عرصے کے لئے انھیں بدحواس تو ضرور کر دیا تھا۔ دور دور تک
انھیں کہنا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ اتنی بڑی دنیا میں تنہا عورت کسٹھ
دراز سے ٹکر لینے کے لئے تنہا رہ گئی تھی حادثات زمانہ کسی سے رکھتے
نہیں کرتے جو یہی زد میں آیا پس کر رہ گیا۔ یہی سوچ طوسیہ کی ماں کو
ان کی طرح کھانے لگی لیکن جلد ہی انھوں نے اپنی اس کیفیت پر قابو پایا
پیش کو زیادہ سے زیادہ تعلیم دلانے کی خواہش جسے باپ دل ہی میں

بے گئے تھے۔ ماں نے پورا کرنے کا بیہ کیا۔ تھوڑی سے رقم مرحوم شوہر چھوڑ
 گئے تھے۔ طوسیہ کی ماں نے اس رقم کو طوسیہ کی تعلیم کے لئے وقت
 کر دیا۔ گھر چلائے کے لئے محلہ پڑوس سے بیٹے پر وئے کا کام آنے لگا
 رقم اتنی زیادہ تو تھی نہیں کہ طوسیہ کی تعلیم کے کل اخراجات پورے
 ہو جاتے۔ چنانچہ اس رقم کے ختم ہونے کے بعد طوسیہ کی تعلیم جاری
 رکھنے کے لئے ماں کو اور زیادہ محنت کرنی پڑی۔ طوسیہ بھی خالی دینی
 میں ماں کا ہاتھ بٹاتی لیکن اس کے باوجود ماں پر کام کا بار زیادہ ہی
 طوسیہ بی اے کے آخری سال کا امتحان دے ہی رہی تھی۔ کہ ماں
 کی صحت جواب دے گئی۔ چنانچہ ان حالات کے تحت نتیجے کا اعلان
 ہوتے ہی طوسیہ کو نوکری تلاش کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا۔
 نوکری ملنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ صبح نوکری کی تلاش میں گھر سے نکلتی
 دن بھر بھوک پیاسی مختلف دفاتر کے چکر لگانے کے بعد شام کو یا اس گھر کو
 ماں نے سوچا۔ باپ تو مری چکا ہے۔ میرا بھی کوئی بھروسہ نہیں ہے
 طوسیہ کی شادی کر دوں تو بہتر ہے۔ لیکن ایک غریب لڑکی کے لئے مناسب
 شوہر ملنا جو بے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔ نوکری کی طرح طوسیہ کے لئے
 شوہر ملنا بھی ناممکن نظر آنے لگا۔ بد قسمت ماں کے لئے یہ غم بچھلے تمام
 غموں سے زیادہ ثابت ہونے لگا۔ ان کی صحت کی امید بھی ختم کر کے رکھ دی۔

ایک دن طوسہ غام کو گہرائی تو گہری لگے مہانوں کو بیٹھا دیکھ کر
 ہوا تعجب ہوا۔ گھر کے دروازے پر ایک لمبی سیاہ کٹڑی تھی۔ مہان
 خواتین کسی امیر گھرانے کی معلوم دیتی تھیں۔ طوسہ سفید کاشن کی ساری
 پہنے تھی۔ ہاتھ دھواں کی کٹیشی اور چہرے پر عکس کی دبیز تہہ جی ہوئی تھی۔
 ”آگلیں طوسی... بہت دیر کر دی بیٹا آج تم نے۔“

اں بیٹی کو دیکھتے ہی کھل اٹھی۔

”اں امی آج ذرا دیر ہو گئی۔“

طوسہ ماں کے قریب دو آکی مشیش رکھتے ہوئے بولی۔

اں سے موٹیٹی۔ یہ سگم شہاب ہیں۔ رشتہ میں تمہاری خالہ ہوتی ہیں

امید تمہاری خالہ زاد بہن بیٹا۔

”آداب“ طوسہ نے اں کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا:

بھئی بھئی نظروں سے ایک بار سگم شہاب کی طرف دیکھا۔ اور سوچنے

لگی یہ اتنی امیر خالہ کہاں سے پیدا ہو گئیں۔ اب تک یہ کون سے کچور

میں اگی ہوئی تھیں۔

بیٹی اں کی خاطر نہ کر دی۔ میں تو تمہارے انتظار میں تھی۔

خدا سوچ میں نہ لی ہوئی طوسہ سے بولی۔

”جی ہاں... ابھی لپکتے۔ طوسہ اٹھتے ہوئے بولی۔

اسے احساس ہو رہا تھا۔ کہ جہاں خواتین اسے گہری نظروں سے دیکھ رہی ہیں۔ باورچی خانے میں آکر طوسی نے اطمینان کا سانس لیا۔ جلدی جلدی ناہشتہ کے لئے چند چیزیں تیار کر کے جب وہ ٹرے میں رکھ رہی تھی کہ فیلا اس کے قریب آگھڑی ہوئی۔
 ”لایکے میں کچھ منہ کروں آپ کی۔“

فیلا مسکراتے ہوئے بولی۔
 ”شکریہ۔ آپ نے واقعی رحمت کی۔ میں نے سب تیار کر لیا ہے۔“
 طوسی ٹرے اٹھاتی ہوئی بولی۔

”ماشاء اللہ بڑی اسارٹ ہیں آپ۔ اتنی۔ اتنی جلدی یہ اہتمام کر لیا۔
 فیلا تھیں آمیز لہجہ میں بولی۔
 ”نذاق اڑا رہی ہیں شاید آپ۔“
 قوم کھجئے۔ میں تو حقیقت بیان کر رہی ہوں۔

”غریب لوگ اہتمام کیا جانیں۔ روکھا سوکھا جو میسر ہے، عافریجے۔“
 طوسی کے لہجہ میں تھا۔

”آپ کے بال بہت حسین ہیں اتنے لمبے۔ اتنے دلکش۔ کاہجے
 دھوئی ہیں۔“

فیلا بات چلتے چوتھے بولی۔

”پانی سے طوسیہ سادگی سے بولی۔

”کیا واقعی؟“ نبیلا حیرت سے بولی

”جی ہاں! حقیقت ہے۔“ طوسیہ دھیرے سے مسکرا دی۔ آئیے

مکرمے میں چلیں۔“

”بہت تکلف کیا بیٹی تم نے۔“ بیگم شہاب طوسیہ کو ٹرے لاتے دیکھ کر بولی

”خیر مندہ کر رہی ہیں خالہ جان یہ تو کچھ بھی نہیں۔ پھر پہلی بار تو آپ شہزادہ

لائی میں نہا رہے یہاں۔

طوسیہ کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا

چائے کے دوران نبیلا اور طوسیہ باتیں کرتی رہیں۔ طوسیہ یوں

بھی کم گوئی۔ نبیلا کے سوالات کا جواب دے دیتی۔ بیگم شہاب طوسیہ

کی ماں سے باتیں کرتے ہوئے کبھی کبھی طوسیہ کو بھی مخاطب کر لیتی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹہ تک مختلف موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ رات ہو چکی تھی

بیگم شہاب نے گھڑی دیکھی وکھڑی ہوئیں۔

طوسیہ بڑی اچھی بچی ہے بہن۔ میں آپ سے اسے اپنے بیٹے کے لئے

مانگتی ہوں۔

چلتے ہوئے بیگم شہاب طوسیہ کی ماں سے بولیں۔

طوسیہ نے لمبی لمبی پلکیں اٹھا کر حیرت سے دیکھا۔ ماں مسکرا رہی تھی۔

نبیلہ کی شرارت بھری نظریں طوسیہ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ادنیٰ کم شہاب کی آنکھیں محبت اور شفقت کے جذبے سے چمکنے لگی تھیں۔ اس کے چہرے پر حیا کی سرخی دوڑنے لگی۔ اور وہ نظریں جھکا کر دوسرے کمرے میں چلی آئی۔

اور پھر وہ رات بھر سوچتی رہی۔ زندگی کے ان لمحات کے بارے میں جو شاید آہی جاہلیں۔ اسے زندگی کی تصویر بدلی بدلی سی نظر آنے لگی مگر زندگی تو حادثات کے مجموعہ کا نام ہے۔ یہ بات بھی ایک حادثہ بن گئی۔ طوسیہ کی خالہ لوٹ کر نہیں آئیں۔ طوسیہ خیالوں سے نکل آئی۔

طوسیہ دیوان شریف پر رکھتے ہوئے گنگنا نے لگی یہ دیوان ہی تو اس کے سرمایہ حیات تھے۔ پیسے بچا بچا کر وہ اپنے پندیرہ چاندی کے دیوان خریدتی اور انھیں بار بار پڑھتی یہی تو غموں میں ~~میں~~ ٹھیک بن جاتے ہیں۔ اس نے سوچا۔

طوسیہ دیکھو وہاں آگئے۔...

ماں کی خوابناک آواز پر وہ چونکی۔ دروازے کی طرف دیکھا۔ کوئی نہ تھا۔ وہ تلخی بھری مسکراہٹ لئے ماں کی طرف بڑھی۔

ماں کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔

”دیکھو وہ... میری طوسیہ کو دلہن بنا کر لے جا رہے ہیں۔“
”ماں۔“ طوسیہ نے ماں کا ماتھا چھوا اور اس کا سر جھکا کر کہہ دیا۔

ماں کو بڑا تیز بخار ہے تھا، میرے محبوب... طوسیہ سبک پڑی۔ رحم کریم
 پر... ماں... آنکھیں کھولو... ماں... خوابوں کی دنیا سے نکل آؤ۔
 غریب زندگی تلخ کر دیتے ہیں... ماں... میری اچھی ماں...
 طوسیہ بے بسی سے ماں کو آوازیں دینے لگی۔
 ”طوسی... ماں نے جلتی ہوئی آنکھیں بڑی خشکی سے کھولیں۔ کیا
 لگے چھان؟

ہاں۔ ہاں... طوسیہ نے تلخی سے کہا۔ بچو اور غم ہمارے گھر سے
 آئے ہیں۔ ذرا سنبھلو ماں تاکہ انہیں بھی خوش آمدید کہہ سکیں۔
 ماں کی آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہونے لگیں۔ طوسیہ نے سہارا
 دے کر اٹھایا اور دو اکی آخری خوراک پلا دی پھر وہ خالی شیشی کو دیر
 تک دیکھتی رہی۔

”دو ابھی ختم ہو گئی۔ اب کیا ہو گا؟ وہ سوچنے لگی۔ ایک خوراک۔
 تو ماں کا بخار نہیں اترے گا۔ پھر... پھر کیا کرو گی طوسیہ؟

طوسیہ نے اپنا پرس کھولا۔ دو چار روپے پڑے ہوئے تھے۔
 لیکن ابھی تو رات کے کھانے کا بھی بندوبست کرنا ہے۔ طوسیہ نے
 گہری سانس لی... اوہ... چھوڑا ت کے کھانے کو۔ امی کے لئے
 تو کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔ زندگی بڑی دھیمٹ ہے تم بغیر کھائے نہیں

مروکی طوسیہ ۔

طوسیہ خود سے بولی ۔

ماں کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ بخار اب کم تھا۔ ماں کو لبہ
اگلی تھی۔ طوسیہ نے ٹھیک سے کبل اڑھایا۔ دھیرے سے
دروازہ بند کیا۔ اور دوا لینے چلی گئی۔ واپسی پر سوچا، ماں کے لئے تھوڑا
دلیہ تو پڑا ہوا ہے کچھ پھل لے لئے جائیں۔

جب وہ گھر پہنچی تو ماں جاگ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے
دوا اور پھل ماں کے سر پر پڑی ہوئی ستائی پر رکھی۔ اور ان
کے قریب پلنگ پر بیٹھ گئی۔

”کہاں گئی تھیں بیٹی۔“ ماں کی نقاہت گہری آواز ابھری۔
”آپ کے لئے دوائی لینے گئی تھی اتنی۔“

طوسیہ ہلکے ہلکے ماں کی پیٹانی دباتے ہوئے بولی۔

”میرادل گھبرا رہا ہے۔ دو گھونٹ پانی پلا دو۔“

ماں نجف سی آواز میں بولی۔

طوسیہ نے صراحی میں سے پانی اندر پلا اور اس میں

تھوڑا سا گلو کوڑا لکڑے آئی۔

”لاؤ! میں پلا دوں اتنی۔“

وہ ماں کو سہارا دے کر بجاتی ہوئی بولی۔

”ارے... بھئیں بھی تو بخار ہے۔“

ماں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”نہیں تو امی، طوسہ نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ کو

خود بخار ہے نا۔ اس لئے لگ رہا ہے۔“

وہ بات بناتے ہوئے بولی۔

ماں نے ایسی نظروں سے طوسہ کی طرف دیکھا جیسے انہیں

بڑی کی بات پر یقین نہیں آیا ہو۔ طوسہ یہ نے دو آئی کی شیشی

میں سے ایک خوراک پیانی میں ڈالی اور پیالی ماں کے ہونٹوں

سے لگادی۔

”جیتی رہ رہی کبھی مجھے کتنا خیال ہے میرا۔“

”اچھا امی آپ آرام کریں۔ میں آپ کے لئے دلیا بنا لاؤں

طوسہ نے ماں کو اہستہ سے لٹاتے ہوئے کہا۔

”ابھی تو آئی ہو باہر سے۔ ذرا آرام کر لو۔“

طوسہ کمرے سے نکل چکی تھی۔ باورچی خانہ میں پہنچ کر اس نے

جلدی جلدی دلیا تیار کیا۔ اور پلیٹ میں نکال کر ماں کے پاس

لے آئی۔

اور جب وہ چمچے دھیرے دھیرے ماں کو دلیا کھلا رہی تھی
تب ماں نے پوچھا۔

”تم نے بھی کچھ کھایا بیٹا۔“

مجھے ابھی بھوک نہیں ہے امی۔ بعد میں کھا لوں گی۔ طوسیہ نے
جواب دیا۔

ماں کھا چکیں تو طوسیہ ان کے سر ہانے بیٹھ کر دیر تک سر دبانے
رہی۔ دھیرے دھیرے ماں کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ
گہری نیند سو گئیں۔

جیل کی جٹی جیل سے سخت ناراض تھیں بنیڈا نے بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ ہوا یہ کہ سنگنی والے دن جیل کی جٹی اور بنیڈا تمام انتظام کے ساتھ اس کا انتظار کرتی رہیں مگر جیس دن بھر غائب رہا۔ رات کو گھر میں گھساؤ عجیب انداز سے۔ سر کے بالی بے ترتیب تھے ٹائی کی گرہ مچھلی اور تھکا تھکا سا پہرہ۔

وہ سیدھا اپنے کمرے میں پہنچ کر صوفہ پر گر پڑا۔ جٹی جیل کی حالت دیکھ کر چونکیں اور اس کی اس ہیئت کذافی کی وجہ معلوم کرنے کے لئے اٹھیں۔ لیکن بنیڈا نے برا سامنا نہ بنا کر انھیں روک لیا۔
 ”کہاں جا رہی ہیں می۔ بھیا ایکٹنگ کر رہے ہیں۔“

یہ سن کر جٹی کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔

پھر کچھ دیر بعد بنیڈا اپنے کمرے میں جانے کے لئے جیل کے کمرے کے سامنے گھنٹہ جیل اسی طرح صوفہ پر دراز تھا کہ ایسا قدم خود بخود رک گئے۔ جاتی کی حالت کو ایکٹنگ سمجھنے والی بنیڈا

میں مبتلا ہو چکی تھی۔ جمیل نے نبیلا کو دروازے پر کھڑا دیکھا تو اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”باہر کیوں کھڑی ہو۔ اندر آ جاؤ نا۔“

جمیل مسکراتے ہوئے بولا۔

”ہم سے بات مت کیجیے۔ آپ بہت خراب ہیں۔ اتنی پیاری

لڑکی کو کھو بیٹھے مجھے اور امی کو الگ شرمندہ کیا۔ نبیلا رو ہانسی ہو گئی

”اوہ یہ بات ہے۔“ جمیل کو جیسے بھولی ہوئی بات یاد آئی ہو

بھئی کیا کرتا ایک ایسا آگیا تھا دوپہر سے اب فارغ ہوا ہوں

”بس رہنے دیجئے۔ جھولی سچی باتیں بتانے کی ضرورت نہیں۔“

نبیلا تنک کر بولیں۔

”بھئی یقین نہ ہو تو فون کر کے پوچھ لو۔“

جمیل نبیلا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب صوف پر بٹھاتا ہوا بولا۔

”تم از کم پچاس مرتبہ فون کیا ہے سارے دن میں۔“

نبیلا اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔

”دماغ خراب ہے کیا۔ میں کہہ رہا ہوں سیدھا ہسپتال سے

پلا آرہا ہوں۔ اور فرماتی ہیں پچاس فون کر چکی ہیں۔ جمیل بولا۔

معلوم نہیں نس کا دماغ خراب ہے، ہسپتال تو آپ پر اور عیارات

کو جلتے ہیں۔

شاید میری دماغ خراب ہے۔ میں بتانا بھول گیا۔ اب منگل اور
ہفتہ کے دن ہونگے ہیں۔“

جیل کے لہجے میں افسوس تھا۔

”یہ تبدیلی کب سے ہوئی۔“

”کل ہی بتایا گیا تھا مجھے۔“

”ہوں... لیکن بھیاریہ اچھا نہیں ہوا۔ معلوم ہے ان سے
رشتہ داری بھی ہوتی ہے۔“

اپنی رشتہ داری کا چکر چلا دیا تم نے۔ انیل سنتا ہوا بولا۔

”یہ بھی اتفاق ہی سمجھو ورنہ ہمیں ان کے بارے میں کبھی علم

ہوتا اور نہ ان کو ہمارے متعلق پتہ چلتا۔“

”اچھا اب وہ اتفاق والی بات بھی کہتی چلئے۔“

(انیل کو غمیلہ کی بات پر یقین نہیں آیا۔)

شکورا چار پانچ دن دن سے کام پر نہیں آرہی تھی۔ ادھر

پرسوں مٹی کو معلوم ہوا ان کی انگوٹھی بھی غائب ہے۔ شکورا

کی طرف ہی گیا۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے غصہ میں مٹی کچھ نہیں چنیں

چنانچہ میرا ہاتھ پکڑ گاڑی میں بٹھا شکورا کے گھر چلیں۔ گھر کا

پتہ تو تھا نہیں۔ اس کے محلہ میں پہنچ کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ اتفاق سے کار جس گھر کے سامنے کھڑی کی تھی اس کا دروازہ کھٹکھٹا دیا مگر اندر سے کسی عورت کی آواز سنائی دی اور مٹی مکان میں داخل ہو گئیں اٹھ دس منٹ انتظار کرنے کے بعد میں جو مکان میں داخل ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں۔ سامنے ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس میں پلنگ پر ایک عورت لیٹی ہیں مٹی جھکی ہوئی ان کے سینے سے لگی میں جواگے بڑھی تو دونوں رو رہی ہیں بسکیوں کی آوازیں کمرے کے باہر تک آرہی تھیں۔ میں حیران سی مٹی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ اتنی بہت نہیں پڑ رہی تھی کہ مٹی کو ان سے الگ کر سکوں۔

تھوڑی دیر کے بعد مٹی خود ہی ان سے الگ ہو گئیں دوپٹے سے آنسو پونچھنے اور میری طرف دیکھا۔ آنکھیں سو جھی ہوئی تھیں میں حیرت زدہ کھڑی کبھی مٹی کو اور کبھی ان بیا رہ خالوں کو دیکھتی رہی جن کے سینے سے لگی مٹی روتی رہی تھیں۔

پھر مٹی نے میرا ہاتھ پکڑا اور پھر ان کے قریب کرتے ہوئے بولیں۔

یہ تمھاری خالہ ہیں بیٹا۔

خالہ کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھیں۔ لیکن جذبات کی شدت اور سارے کد جھٹکنا سنبھال نہ سکی تھی۔ خالہ نے میری طرف ہاتھ پھیلا دیئے اور میں ان کے سینے سے جا لگی۔

اور پھر جب خالہ ذرا بولنے کے قابل ہوئیں۔ تو ان کے منہ سے دعاؤں کی بوچھاڑ نکلنا شروع ہو گئی۔ مئی کی زبانی معلوم ہوا کہ کافی عرصہ کی بات ہے۔ خالو جان جن کا انتقال ہو چکا ہے کسی بٹا پر خاندان والوں سے لڑکر الگ ہو گئے تھے۔ سب ہی سے قطع تعلق کرنے کے بعد خالو جان نے شہر ہی چھوڑ دیا تھا کچھ دنوں تک تو کسی نے پرواہ نہیں کی لیکن پھر خون نے جوش مارا اور ان لوگوں کی تلاش شروع ہوئی مگر کہیں پتہ نہیں چل سکا۔ آخر رفتہ رفتہ سب نے صبر کر لیا۔ پھر ڈیڑی کا تبادلہ یہاں ہو گیا۔

”ہوں...“ اینل بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔

”خالہ جان کے ملنے کی کتنی خوشی تھی مئی کو۔ لیکن بھائی جان اپنے

ان کی تمام خوشی پہنانی پھیر دیا۔“

غیر لڑنے بناتے ہوئے بولی۔

”تم تو بچگی ہو بنو۔“ اینل ہنس دیا۔

”ہاں میں تو بچگی ہوں۔ لیکن خدا کی قسم بھائی جان اگر آپ ایک بار

خالہ جان کا حسرت زدہ چہرہ دیکھ لیتے تو یہ نہ کہتے۔ ضبط کے باوجود
نبیلا کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔

”کاش تمھاری ان نئی خالہ جان کے کوئی نہ اجنبزادہ ہوتا۔ اور
مئی تمھارے لئے اقرار کر لیتیں تو پوچھتا۔

جیل غصہ میں بھری نبیلا کہ چھیڑتا ہوا بولا۔

”کیا سوچتی ہوں گی خالہ جان مئی کے متعلق۔“

نبیلا جیل کی بات کو نظر انداز کرتی ہوئی بولی۔

”ارے کچھ نہیں سوچیں گی میں ان کا علاج کر دوں گی۔“

”بیارڈ لے لے والے کیا علاج کریں گے کسی کا۔“

نبیلا جیل کے چہرے پر نظر میں جائے دیکھتے ہوئے بولی۔

کیا بات ہے نبیلا تمھیں اس لڑکی سے اتنی ہمدردی ہے اور

اپنے بھائی کا کوئی خیال نہیں۔“

”اس لئے کہ بھائی نے اس لڑکی کو نہیں دیکھا۔ معصوم سی

جھولی بھائی لڑکی کے دل پر نہ جانے کیا گز رہی ہوگی۔ اس لئے

کہ میں نے خالہ جان اور مئی میں ہونے والی ایک ایک بات سنی

ہے خالہ جان نے کہا تھا کہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر چھوڑ دینے سے بہتر

ہے اسے سمندر میں دکھا دے دو۔ بہن کہیں ایسا نہ ہو یہ سب

کچھ قریب نظر ثابت ہو۔ میں پہلے ہی چسپور غ سحری ہوں ان
 کھپڑوں کی زد میں آئی تھانبرنہ ہوسکوں گی : نیلا مسک پری
 ”مجھے تمھاری اور تم کی پوزیشن کا احساس ہے نیلا۔ لیکن
 میں بھی مجبور ہوں۔“ انیل سجدہ ہو گیا۔ ”میرے ذہن میں ایک لڑکی
 کا تصور تھا۔ میں نے اسے ہمیشہ خوابوں میں محسوس کیا ہے۔ آج وہ
 جیتی جاگتی حقیقت کی دنیا میں میرے سامنے اکھڑی ہوئی ہے۔ وہ
 میری ہمسفر ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔“

”کیا تصور ہے وہ۔ کونسی کوہ قاف کی پری کے تصور میں آئی ہے۔
 نیلا نے جل کر کہا۔

”پری تو نہیں... مگر ہاں آرٹسٹک سی لڑکی ہے جس کی انہیں
 کہنا ہے ہوئے جاند کی طرح دیران ہیں جس کی زلفیں میرے خیالوں
 کی طرح پریشان جس کا چہرہ پھول کی طرح کوئلہ اور.....
 ”چھی مشاعری کر لیتے ہو ڈاکٹر صاحب ؟
 نیلا نے بات کاٹ کر طنز سے کہا۔

”اسے دیکھ کر ہی شاعر بننا ہوں۔“ جیس دھیرے سے بولا
 نیلا نے برا سائنہ بنایا اور گردن جھٹک کر کمرے سے باہر
 نکل گئی۔ جمیل نے طویل سر د آہ لی اور سوچنے لگا۔ ”میرے محبوب

کوئٹے سے نکل آئی تھی وہ۔ کیا وہ کبھی اسے پاس کے گا۔ وہ آج بھی اسے سارے شہر میں تلاش کرنے کے بعد ناکام واپس لوٹا تھا کچھ کہتی ہوئی خاموش نگاہوں کے تصور میں آج بھی اس نے کئی مرتبہ بریک لگائے تھے۔ دوڑتی ہوئی کار ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑی ہو گئی تھی لیکن سبھی ہوئی دیر ان آنکھوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔

جمیل دھیرے سے صوفیہ پڑھا اور باغیچہ کی سمت کھلنے والی کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ باہر اندھیرا تھا۔ اس نے کھڑکی کھول دی اور دروڑ غلامیں کسی منگودہ راہ مسافر کی طرح اپنی منزل کی تلاش میں بھٹکتی چاند آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لیکن جمیل کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کی منزل کہاں ہے۔ وہ نہ معلوم کب تک یہ نہی کھڑکی کے سہارے کھڑا رہتا کہ میونسپل ٹاور کے گھنٹے نے تین بجنے کی خبر دی۔ اینیل چونک پڑا اس نے اپنے گرد و پیش نگاہ اٹھا کر دیکھا ہر طرف خاموشی اور سکوت تھا۔ کھڑکی کے باہر دبیز تاریکی کی چادر تنی ہوئی تھی۔ پھر اسی وقت چاند نے بادل کی اوٹ سے اپنا چہرہ نکالا۔ تاریکی بڑا قدرے چھٹی ہوئے ہوئے جھومتی ہوئی رات کی رات کی اسے کہتی معلوم دی جمیل میں معلوم ہے تنہا دروڑ لیکن یوں کب تک کھڑے رہو گے۔ جاؤ اپنے بستر پر صبح قریب

اور جمیل تھکے تھکے پاؤں اٹھاتا ہوا اپنے بستر تک
 جا پہنچا اور یوں ہی بغیر کپڑے تبدیل کئے بستر
 پر دراز ہو گیا ۔

صبح جب اس کی آنکھ کھل تو کافی وقت گزر چکا تھا وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ کمرے میں لگا ہوا کلاک فوجیا رہا تھا۔

آج اسے کوئی جگا نے بھی نہیں آیا۔ اس نے سوچا۔ اس سے پہلے اگر کبھی اس کے اٹھنے میں دیر ہو جاتی تو اب تک مٹی کتنی مرتبہ اس کے کمرے میں آکر اسے اٹھاتیں پیار سے اس بالوں میں ہاتھ پھیرتیں اور نبیلا تو آکر جس جھوڑی ڈالتی۔ لیکن آج دونوں ہی اس سے ناراض تھیں ایک بھیکسی سی سکرابٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور اس نے بستر چھوڑ دیا۔ جلدی جلدی غسل سے فانیغ ہوا کپڑے تبدیل کئے۔ اور ناشتہ کئے بغیر ہی کلینک چل دیا اس نے محسوس کیا اس دوران کسی نے اس کی طرف دیکھنا تک گوارا کیا تھا۔

کار کلینک کی طرف دوڑ رہی تھی۔ اور وہ سوچ رہا تھا
 ماں جو اسے اپنی زندگی کا سہارا سمجھتی ہیں۔ جس کی ہمتا اور
 اور شفقت نے اسے اس قابل کیا جس نے اپنے بیٹے کے لئے
 بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ آج صرف اس لئے
 ناراض ہے کہ اس نے اپنے حق کا استعمال کر لیا تھا
 زندگی کے ہمسفر کا انتخاب اپنی مرضی سے کر لیا۔ جرم بن گیا تھا
 نبیلا جسے اپنے بھائی پر ناز تھا جو فخر سے اپنی سہیلیوں کے
 درمیان جمیل کا ذکر کیا کرتی تھی۔ آج اس سے روٹھ گئی تھی
 اس لئے کہ بہن کے انتخاب پر اس نے اپنے انتخاب کو ترجیح دی تھی
 جمیل کلینک پہنچا تو کافی مریض جمع تھے۔

اس نے جلدی جلدی مریضوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ جلد
 از جلد مریضوں سے فارغ ہو جانا چاہتا تھا۔ ہنسنے سنسنے
 والا ڈاکٹر آج خود مریض معلوم ہو رہا تھا۔ شوخی اور طرافت
 کی جگہ چڑچڑے پن نے لے لی تھی۔ دو ایک مریضوں کو تو
 اس نے ڈانٹ بھی دیا تھا۔ پرانے آنے والے مریضوں کو جمیل
 کی یہ تبدیلی عجیب معلوم دی تھی وہ خود بھی اپنی اس تبدیلی کو
 محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش بھی

کی لیکن اس کے باوجود اس کا موذ بحال نہ ہو سکا۔
 مریضوں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ایک میڈیکل
 سیگزمین اٹھالی۔ ابھی آدھا ہی صفحہ پڑھا تھا کہ دل گھبرانے لگا
 اس نے سیگزمین ایک طرف اچھال دیا۔
 پھر وہ اپنی کرسی سے اٹھنا ہی چاہ رہا تھا کہ ایک ہاتھ
 اس کے سامنے تھا۔ نازک سے سفید ہاتھ کی ہتھیلی پر ایک
 خوبصورت گولڈ میڈل رکھا تھا۔

”ڈاکٹر... میری ماں سخت بیمار ہیں۔ یہ رکھ لیجئے اور میری ماں
 کے لئے دوا دے دیجئے۔“

درد بھری آواز جمیل کے کانوں سے ٹکرائی۔
 اس نے نظریں اٹھائیں۔ وہی گھبرائی ہوئی ویران سی
 آنکھیں اسے حسرت سے دیکھ رہی تھیں۔ اب ان کی ویرانی
 میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

”جی کیا فرمایا۔“ انیل کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔
 اس نے غور سے لڑکی کی ہتھیلی پر رکھا ہوا سونے کا میڈل دیکھا
 یقیناً وہ گریجویشن میں آؤں آنے پر ملنے والا میڈل تھا۔
 میری ماں کو بچا لیجئے ڈاکٹر وہ سخت بیمار ہیں۔ میں بہت

دلوں سے ان کا علاج ایک دوسرے ڈاکٹر سے کرا رہی تھی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ آپ میری ماں کو دیکھ لیجئے چل کر لیکن آپ کی فیس اور دواؤں کے لئے اب میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

طوسیہ میڈیل ڈاکٹر کے سامنے کرتی ہوئی سسک پڑی اینل گم صم بیٹھا تھا۔ طوسیہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ لڑکی جس کے لئے اس نے سارے شہر کی خاک چھان ڈالی تھی اس کے سامنے کھڑی ہے۔

”نہیں چلو گے ڈاکٹر؟ طوسیہ حسرت سے بولی۔
 ”خدا یا اگر ہم غریب ہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔
 تو نے ہمیں غریب پیدا ہی کیوں کیا۔“

طوسیہ کی ہلکوں پر ٹکے ہوئے آنسوؤں کے قطرے رخساروں پر ڈھلک آئے۔ اس نے ایک نظر ڈاکٹر کو دیکھا اور باہر جانے کے لئے مڑ گئی۔

”شہر کیے!۔ ہیل جیے کسی خواب سے چونک پڑا ہوا۔“
 ”میں چلتا ہوں۔“

وہ کرسی سے اٹھا۔ اپنا بیگ سنبھالا۔ اور کلینک سے باہر آگیا۔ طوسیہ کی ویران آنکھوں میں ایک لمحہ کے لئے جھک پیدا ہو گئی جیسے اسے نئی زندگی مل گئی ہو۔ جیل نے گاڑی میں بیگ رکھا اور طوسیہ کے لئے کار کا دوسرا دروازہ کھول دیا۔

تشریف رکھئے۔ جیل طوسیہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔
طوسیہ ایک لمحہ کے لئے جھکی پھر اپنا دوپٹہ درست کرتی ہوئی اس کے قریب بیٹھ گئی۔

ایک چہرے سے پریشانی مترشح تھی۔ عجب کس میرسی کا عالم طاری تھا۔ کار تیز رفتاری کے ساتھ دوڑتی رہی۔

کچھ دیر بعد جیل طوسیہ کی قیادت میں ایک اوسط درجے کے مکان تک پہنچا۔ جلدی سے دروازہ کھول کر وہ باہر آئی میرے ساتھ آئیے ڈاکٹر صاحب۔ پھیل سے کہتے ہوئے آگے بڑھی۔ اور مکان کے اندر داخل ہو گئی۔

”ماں! اس نے اندر پہنچ کر بیتابی کے ساتھ پکارا۔

مگر اس کی آواز گونج کر رہ گئی۔

طوسیہ تیزی کے ساتھ اپنی ماں کی طرف بڑھی اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر اپنی طرف گھماتے ہوئے ایک بار پھر کہا

”ماں!“

لگراں کی ماں اب ہر مرض سے نجات حاصل کر چکی تھی۔
 ”ماں... پیاری ماں... بولو نا ماں... کیا ہوا تمہیں....
 وہ دیوانہ وار چیخنے لگی۔

”صبر کیجئے“ جیل کا کاپتا ہوا ماتھ اس کے شانوں پر تھا
 ”ڈاکٹر! وہ پٹلی... میری ماں کو دیکھو ڈاکٹر... ان کو جگادو
 یہ بہت خواب دیکھتی ہیں۔ ان کو بیدار کرو ڈاکٹر... خواب کی
 دنیا سے واپس لے آؤ۔ ڈاکٹر... جہاں کی رنگینیاں انسان کو ابلی
 خاک بخش دیتی ہیں۔ اور وہ پھر کسی کا نہیں رہ جاتا... کہتے ہوئے
 وہ ہنس پڑی.... اور بے حاشہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔
 اسی وقت باہر ایک گاڑی آکر رکی بیگم شہاب اور نبیا اندر
 آئیں۔ جیل کی حیرت زدہ نظریں ان دونوں پر مرکوز تھیں۔
 ”آگئیں آپ!“ طوسیہ نے دیوانگی سے کہا، ”میری ماں کو
 آپ کا بڑا انتظار تھا... بڑے حین فریب دیتی ہیں آپ“ کہتے ہوئے
 وہ ہنس پڑی ”آئیے بیٹے میری ماں سے“ وہ ماں کی فحش
 کی جانب مڑتی ہوئی ہوئی۔ اور پھر یکبارگی اس نے ماں کا منہ
 چوما۔ پھر رونے لگی۔

”بیٹی ہم تم سے معافی مانگنے آئے ہیں۔ مروجہ سے بھی ہم
شرمندہ ہیں، آج دراصل ہم لوگ اسی واسطے آئے
تھے۔“ بیگم شہاب شدت جذبات میں رو پڑیں۔
”یہی میرا باغی لڑکا ہے۔ جسے تم میسج سمجھ کر لائی ہو؟
دفعۃً انھوں نے جیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
جو سر جھکا کرے ہوئے قسمت کے اس کھیل پر داد دے رہا
مگر طوسیہ ماں سے پٹی روتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ بیہوش
ہو گئی۔

مروجہ کی تدفین وغیرہ کا سارا انتظام بیگم شہاب نے
کیا۔ طوسیہ اب تک بیہوش تھی۔ جیل اس کو ہوش میں لانے
کی مسلسل کوشش کر رہا تھا۔

لیکن اس کو ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے اب وہ بھی بیہوش
ہو جائے گا۔ حادثات کی کڑیوں نے بڑے دکھی ڈرامے کی شکل
اختیار کر لی تھی۔ اور قسمت کے اس کھیل نے ایک عجیب سے
ماحول کو جنم دے دیا تھا۔ جس میں حصہ لینے کے لئے پتہ
نہیں کتنے کردار اور بھی منتظر تھے۔

طوسیہ کی پیشی کو آج دوسرا دن تھا۔ بیگم شہاب نے اپنے
 ”عرے“ آئیں تھیں۔ جیل دوسرے ڈاکٹر کے ساتھ لکڑیوں کو
 کہہ رہا تھا۔ نیلانے رو رو کر راجال کر لیا تھا۔

شہاب صاحب بھی جیل کی نادانیوں کا اتنا بڑا المیہ دیکھ کر
 بہت متاثر ہوئے تھے۔ انہوں نے رائے دی تھی کہ طوسیہ کو
 اپنے گھر لے چلیں۔ کیونکہ وہ اب تنہا رہ گئی ہے۔ اور ایک تنہا
 لڑکی بھلا کسی اکیلے گھر میں کیسے رہ سکتی تھی۔

جیل طوسیہ کے نزدیک ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ کمرے میں اس وقت
 کوئی اور نہ تھا۔ اس نے ایک بار اور کوشش کی۔ امونیا کئی مرتبہ
 سنگھائی جا چکی تھی۔ اس مرتبہ پھر وہی عمل دہرایا گیا.... چن بیکٹ
 بعد بوجھل پلکوں میں خفیف سی حرکت پیدا ہوئی۔ چہرے پر کرب کے
 اثر نمودار ہوئے۔ ہونٹ تھرتھرائے.... اور طوسیہ نے چلیں چپکاتے
 ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

”ماں...!“ پہلا لفظ اس کے منہ سے نکلا۔
 ویران آنکھوں میں تجسس نمایاں تھا۔ طوسیہ کو ہوش میں دیکھ کر
 خوشی سے اہیل کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔
 ”ڈاکٹر! طوسیہ جیل کو بغور دیکھنے کی کوشش کرتے ہو
 بولی اور پھر آنکھیں جھبک کر بند ہو گئیں۔
 ”پانی... اس نے دھیرے سے کہا۔

جھیل چھ سے طوسیہ کے منہ میں پانی دینے لگا۔ چند چھچھ پانی کے
 طوسیہ کے حلق سے اترے اور وہ سو گئی۔ جھیل نے ایک لمبا سانس
 کھینچا اور سوتی ہوئی طوسیہ کے چہرے پر نظریں جا دیں کچھ دیر پہلے تک
 چھانٹے ہوئے کربا کی طلبہ معصوم سے چہرے پر سکون تھا۔ جھیل کا
 اضطراب بھی اطمینان میں بدل گیا۔

شام کو سب ہی اس کے کمرے میں جمع تھے۔ بیگم شہاب نے
 اہیل کی زبانی طوسیہ کے ہوش میں آنے کی خوش خبری سنی ہی نماز
 شکر ادا کی۔ نبیلا جو اس حادثہ کے بعد سے اب تک خاموش تھی
 خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے طوسیہ سے پوچھنے کے لئے پکی لیکن
 جھیل نے روک لیا۔

”نہیں... بے بی... سونے دو۔“

شہاب صاحب بھی مطمئن نظر آ رہے تھے۔ ہارڈن سے
فکر پریشانی میں بیٹھا ہوا گھر کا ماحول بدلنے لگا تھا۔ گھر کے افراد
کے چہروں پر اطمینان و سکون تو آ ہی گیا تھا۔ فضا کو بدلنے کیلئے گھر میں
اور قہقہے باقی تھے۔

رات کو طوسیہ نے آنکھیں کھولیں۔ باری باری سب سی
پر نظر پڑی۔

”کہاں ہوں میں؟“ طوسیہ دھنکھ کی کوشش کرتے ہوئے بولی
”بہت کمزور ہو گئی ہو۔ لیٹی رہو بیٹی۔“

بیگم شہاب پیار سے طوسیہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولیں۔
طوسیہ کی حیرت زدہ نظروں نے لیٹے لیٹے کمرے کا جائزہ
لیا۔ جگہ انجانی تھی۔

”یہ کونسی جگہ ہے؟“ طوسیہ نے پوچھا۔

”تم ہمارے گھر میں ہو بیٹی۔“ بیگم شہاب طوسیہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے
ہوئے بولیں۔

”کیوں؟ حیران نظروں سے اس نے بیگم شہاب کی طرف دیکھا
اور اٹھکر بیٹھ گئی۔

بیگم شہاب ایک طویل سرد سانس لے کر رہ گئیں۔ نبیلا اپنے

ہونٹ بھیج کر رہ گئی۔ شہاب صاحب پہلو بدل کر رہ گئے۔ عین نے
 ندامت سے نظریں جھکا لیں۔ اور کھوئی کھوئی سی طوسیہ ماضی کے
 درپے میں جھانکنے لگی۔ ذہن نے سب کچھ سمجھا دیا۔ اس نے بیگم
 شہاب کے شانوں پر سر رکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی جیسا کہ
 آہستہ چلتا ہوا کھرکی کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ اسکی آنکھوں میں بھی
 آنسو تیرنے لگے۔

طوسیہ روتے روتے چپ ہو گئی۔ لاوا بہہ چکا۔ کمرے میں خاموشی
 چھا گئی۔ ماحول پر ادا سی طاری ہونے لگی۔

اب لیٹ جاؤ۔ بتعین آرام کی ضرورت ہے بیٹی۔

شہاب صاحب کمرے کی بوجھل خاموشی کو توڑتے ہوئے بولے
 ”شکریہ۔ اب میں گھر جاؤں گی۔ اس نے ایک نظر جنیل پڑھ لی
 جو ابھی کھرکی کے پاس کھڑا طوسیہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔
 ”کوئی گھر؟“ نیلا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
 ”اپنے گھر؟“ اس نے سادگی سے جواب دیا۔

”بیٹا! شہاب صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ
 گھر بھی تمہارا ہے۔ وہاں اب جا کر کیا کرو گی۔ اکیلے کیسے رہو گی
 لڑکی ذات اکیلی نہیں رہ سکتی۔ پھر وہ علاقہ بھی ایسا نہیں۔۔۔۔۔“

میں آپ لوگوں کو تکلیف دیتا نہیں چاہتی۔" طوسیہ شہاب صاحب کد بات کاٹتے ہوئے بولی

طوسیہ بہن تم یہاں رہو۔ اس سے بڑی خوشی ہمارے لئے کیا ہو سکتی۔ نبیلا طوسیہ کو پلنگ سے اٹھتے دیکھ کر بولی۔

آپ لوگوں کی محبت کا شکریہ لیکن لیرا یہاں سے چلا جانا ہی مناسب ہے۔

طوسیہ جانے کیلئے آگے بڑھی اور تب ہی اسے چکر آیا فریب تھا کہ وہ گر پڑے کہ قبیل نے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا۔

یہ تو حالت ہے کہ دو قدم بھی نہیں چل سکتیں لیکن جانے کیلئے

خند کر رہی ہو۔ نہیں میری بچی تم نہیں جاؤ گی۔ ہم پہلے ہی بہت شرمندہ ہیں۔ ممکن ہے تمہاری خدمت کر کے مروجہ مہر کی روح سے ہم معافی حاصل کر سکیں۔

بیکم شہاب رو پڑیں۔

”مان جا، نہ طوسیہ بہن“ نبیلا کی آنکھیں بھی پریم ہو گئیں۔

”اچھا... طوسیہ کا دل بھر آیا... جب تک آپ لوگ مجھ سے بیزاری نہیں دھو جاتے میں رہوں گی۔

تم کتنی اچھی بہو میری بہن... تم سے کون بیزار ہو سکتا ہے

نبیلا طوسیہ سے پلٹ گئی
 طوسیہ خاموشی سے آنکھیں بند کر کے پلنگ پر لیٹ گئی۔ نیل
 پھر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ اب وہ مطمئن تھا۔ مگر وہ طوسیہ سے
 نظریں ملاتے ہوئے ندامت محسوس کر رہا تھا۔ اس کے
 دیوانے پن نے حالات کو اتنا بھیانک بنا دیا تھا۔ ابھی اس
 کا کوئی قصور تو نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود طوسیہ کی
 آنکھوں میں جھپی ہوئی نفرت دیکھ کر اسے ایسا لگتا جیسے اس تمام
 المیہ کا ذمہ دار تنہا وہ خود ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد شہاب صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ "چلو
 بھی آرام کرنے دوا سے" وہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولے۔
 بیگم شہاب اور نبیلا بھی ان کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئیں
 طوسیہ نے آنکھیں کھولیں تو بیگم شہاب اور نبیلا کمرے کے دروازے
 پر تھیں نیل کھڑکی بند کر رہا تھا۔

رات سیاہ تھی۔ وہ کھڑکی بند کر کے پلٹا۔ طوسیہ اسی کی طرف
 دیکھ رہی تھی۔ نظروں میں نفرت اور غصہ چہرے پر۔ بیزاری ٹھایاں
 تھیں۔ اخیل کانپ گیا۔

"میں برابر کے کمرے میں ہوں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیل

بھا دیجئے۔ قبیل رک رک کر بولا۔

طوسیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جیل پر سے فطری ہٹا کر تھپ
کو گھورنے لگی۔ جیل بو جیل قدموں سے باہر نکل آیا

تیسرے دن طوسیہ کی طبیعت سنبھل چکی تھی۔ مگر ماں کی جدائی
کے درد کا اثر ابھی باقی تھا۔ حساس تو وہ پہلے ہی سے تھی لیکن

اب تو سزا پا غم ہو کر رہ گئی تھی۔ نبیلا ہر وقت طوسیہ کے ساتھ رہتی
اس کا دل بہلانا۔ اسے ہنسانا اور مسرور رکھنا نبیلا کا دلچسپ شغل تھا

طوسیہ زیادہ تر خاموش رہتی۔ اس سے جو پوچھا جاتا۔ اس کا جواب

دیدیتی اور پھر خلاؤں میں اس طرح گھومنے لگتی جیسے اس کی نگاہیں

کسی کو تلاش کر رہی ہوں۔ کبھی کبھی تو ایسا لگتا جیسے وہ اپنی تلاش میں

کا میاب ہو گئی ہو۔ ہو لے ہو لے ہلتے ہوٹل ماں سے ہاتھیں کرتے

معلوم دیتے۔ اور نبیلا کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو جھلک آتے

وہ جلدی جلدی سے اپنے آپ کو سنبھالتی اور طوسیہ کا دھیان بدلنے

کے لئے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیتی۔

طوسیہ چونک پڑتی۔ وہ اس طرح نبیلا کو دیکھتی گویا ابھی پہلی

سے جاگئی ہو۔ نبیلا اپنی بات دہراتی تو جواب دیدیتی۔ ورنہ خاموشی

سے اس کا چہرہ نکلتی رہ جاتی۔

اپنے گھر سے وہ تمام کتابیں لے آئی تھی۔ اس کا کمرہ ایک چھوٹی سی لائبریری بن گیا تھا۔ جب کبھی تنہائی پاتی کمرے میں بند ہو کر کتابوں میں غوطہ بخاتی۔ رات کو تو اکثر وہ دو دو تین تین بجے تک انہیں کتابوں میں کھوئی رہتی۔

جیل نے ایک بات شدت سے محسوس کی تھی۔ طوسیہ جیل سے بات نہیں کرتی تھی۔ بلکہ اس کے سامنے آنے سے کتراتے تھی۔ اور اگر کبھی آنا سامنا ہو بھی جاتا تو اس کے چہرے پر کرب کے آثار پیدا ہو جاتے جیل نے کسی بار چاہا کہ اس سے معافی مانگ لے۔ اسے بتا دے کہ اس نے انکار بھی کیا تھا تو صرف تمہارا وجہ ہے۔ اسے کیا معلوم تھا کہ جسکی تلاش میں وہ بھٹک رہا ہے اسی کے قرب سے وہ انکار بھی کر رہا ہے اسے کیا معلوم تھا کہ اس کی تنہا اور تنہائی کی خواہش ایک ہی ہے۔ مگر طوسیہ نے اسے صفائی کا موقع ہی نہیں دیا۔ اسے دیکھ کر طوسیہ کی پیشانی پر پڑ جانے والی شکنیں دیکھ دیکھ کر خلیل کو ہاتھ مارا اور طوسیہ بے نیاز بنی رہی۔

دو پہر کا وقت تھا گھر کے تمام افراد اپنے اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔ چیل اپنے کمرے میں صوفہ پر بیٹھا سگریٹ کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا۔ ریڈیو آن تھا اور اس پر مغربی موسیقی کی ایک دلکش دھن بج رہی تھی۔ دھن کے زیر و بم نئے ساتھ ساتھ چیل کے پاؤں فرش سے ٹکراتے تھے اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ہونٹوں کو دائرے کی شکل میں لپیٹے ہوئے ہونٹے ہوئے بجا رہا تھا۔

دھن کے ختم ہوتے ہی اناؤنسر کے کسی صاحب کی تقریر کا اعلان کیا۔ چیل صوفہ سے اٹھ کر ریڈیو کے قریب آیا اور ریڈیو کو بند کر دیا۔ اور سیٹی بجاتا ہوا کھڑکی میں آکر کھڑا ہو گیا یہاں سے طوسیہ کا کمرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے دیکھا۔ طوسیہ دیوار سے تکیہ لگاے بستر پر نیم دراز تھی۔ گود میں کوئی کتاب کھلی ہوئی پڑی تھی مگر

اس کی نظریں سامنے کی دیوار پر لگی ہوئی تھیں
 جیل نے سوچا موقع اچھا ہے اس سے پہلے کہ غیبو آجائے
 اسے صفائی کی کوشش کر لینی چاہیے۔ اسے معلوم تھا کہ نبیلا ہر
 وقت سائے کی طرح طوسیہ کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کے سامنے
 اس قسم کی کوشش بار آور ہونا ممکن نہیں تھا۔ اس نے اسی وقت
 طوسیہ سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا طوسیہ کے کمرے کے سائے پہنچ گیا
 ایک لمحہ کے لئے بچپن کا محسوس کی لیکن پھر دروازے پر دستک
 دے ہی دی۔ مگر طوسیہ کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ جیل
 نے چند لمحے جواب کا انتظار کرنے کے بعد دوبارہ دستک دی۔

”دروازہ کھلا ہے آجائے“ طوسیہ کی آواز آئی

جیل آہستہ سے اندر داخل ہو گیا۔ طوسیہ دروازے
 کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیل کو دیکھ کر طوسیہ کی پیشانی پر بل پر
 ”اوہ... ڈاکٹر... آپ“ طوسیہ قدمے ناگواری سے بولی۔

”کیا حال ہے...؟“ جیل نے زبردستی مسکرا کر کہا۔

”زخمی ہوں... طوسیہ نے سر جھری سے جواب دیا۔

”کیا پڑھ رہی تھیں؟“ جیل ڈھیسٹ جکر اس کی شلیف دیکھنے لگا

”نقش فریادی طوسیہ نے مختصر جواب دیا۔
اس کی دیران نگاہیں لمحہ بھر کیلئے جیل کے چہرے پر ٹھہریں اور
پھر کتاب پر جم گئیں۔

”بہت کم بولتی ہیں آپ“ جینیل نے مکرر دہرے سے کہا۔
طوسیہ نے بوجھل ہلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اور پھر کتاب
پر پڑھنے لگی۔

”آپ مجھ سے کچھ ناراض معلوم دیتی ہیں۔“
”ایمیل صاحب۔“ طوسیہ کی پیشانی کی سلوٹیں کچھ اور گہری
ہو گئیں۔ ”بے کار باتوں سے کیا حاصل جائیے آرام کیجئے۔“
ایک لمحہ کے لئے ایمیل کے چہرے پر جھالہٹ کے آثار
نمایاں ہوئے۔ لیکن پھر دوسرے ہی لمحہ اس نے اپنے آپ
پر قابو پا لیا۔ وہ چپ چاپ کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ انداز ایسا ہی
تھا۔ جیسے کچھ کہنا چاہ رہا ہو۔

طوسیہ نے کتاب بند کر دی اور اس کی طرف گھورتی ہوئی بولی
”کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں یہاں نہ رہوں؟“
”شوق سے رہیئے صاحب لیکن تمہیں سبک نہیں دے گا۔“
جینیل کمرے سے باہر جاتے ہوئے بولا۔

جیل کے جانے کے بعد طوسیہ دیر تک سوچتی رہی۔ دل کے
 کہا اسے اس طرح پیش نہیں آنا چاہیئے تھا۔ اسی کے گھر تو وہ رہا
 کتنی وہ۔ اسے جیل کی بجا رگی کا خیال آگیا۔ اس نے کتنی بڑا طعنہ
 کا ثبوت دیا تھا۔ حالانکہ جیل نے اسکے بیماری کے دنوں میں دن
 رات صرف اس کے ہی لئے وقف کر دیئے تھے۔ اس نے سوچا
 اسے خود قتل کے کمرے میں جا کر معذرت کرنی چاہیئے۔

لیکن پھر دوسرے ہی لمحہ اس کے سوچنے کا انداز بدل گیا۔
 جیل کے چہرے پر برستی ہوئی بجا رگی اور حسرت اسے ظلم اور
 طنز معلوم دینے لگی۔ "نہیں طوسیہ وہ ظالم ہے۔ وہ تیری ماں کا
 قاتل ہے۔ اس نے تیری مجبوریوں کا مزید مذاق اڑانے کے لئے
 یہ نیا روپ دھارا ہے۔ تیرا گھر اجاڑ کر اپنے درپر لا ڈالا ہے۔ تاکہ
 اطمیناں بے تیری بے بسی کا تماشا دیکھ سکے۔ اسے تجھ سے کیا نسبت
 وہ ٹو بھورت ہے۔ ڈاکٹر ہے۔ امیر ہے۔ طوسیہ کا چہرہ سرخ ہو گیا
 مٹھیاں بھینچ گئیں۔ نہیں... نہیں... یہ نہیں ہو سکتا۔ میں اپنی
 ماں کے قاتل کو اپنے قریب نہیں دیکھ سکتی۔ جب بھی حالات
 سازگار ہوئے میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔

وہ دیر تک کبھی قتل کے خلاف اور کبھی حمایت میں سوچتی

ہوئی۔ کبھی چہرہ غصہ اور نفرت سے سرخ ہو جاتا اور کبھی اس کی آنکھوں میں نرمی ابھر آتی۔ کتاب اس نے ایک طرف ڈال دی تھی یہی سب کچھ سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی۔

خواب میں بھی یہ ابھی ہوئی گتھیاں اس کے سامنے تھیں۔

جھیل اور ماں کا چہرہ باری باری اس کے سامنے آ جاتا۔ ماں جو بیماری کی حالت میں دل میں حسرتیں لے کر علی لہی۔ جھیل جس کی وجہ سے ماں اس کا ساتھ چھوڑ گئی۔ کبھی ماں کا متین چہرہ اور مٹھلی آنکھیں اسے تسکین دیتیں کبھی انیل کا حسرت زدہ چہرہ اور کچھ کہتی معلوم دیتی ہوئی آنکھیں اسے بے چین کر دیتیں۔

اسی حالت میں گھبرا کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دھندلے دھندلے نگاہوں سے کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔ نبیلا قریب ہی مٹو پہنچے معلوم کب آکر بیٹھ گئی تھی۔ طوسی کا گھبراہٹ والا انداز دیکھ کر چونک پڑی۔

”کیا ہوا طوسی؟ کوئی خواب دیکھا ہے کیا؟“

نبیلا اس کے قریب آتی ہوئی ہوئی۔

طوسیہ چند سیکنڈ بیٹھانی پر اٹھ کر کھے خاموس بیٹھی رہی

پھر گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

”کہیں چلیں“ نبیلا اسے کمرے سے نکلتے دیکھ کر بولی۔

”ناز کا وقت ہو گیا۔ بتو!“

پھر نبیلا بھی اس کے پیچھے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

تھیل کمرے سے باہر نکلا تو طوسیہ نماز سے فارغ ہوئی کے

بعد قرآن شریف کی تلاوت کر رہی تھی۔ طوسیہ پر نظر پڑتے ہی تھیل
تھمٹک گیا۔ کالا دوپٹہ اوڑھے وہ بڑی حسین لگ رہی تھی۔

تھیل اس کے پیچھے کھڑا ہو کر دیر تک اسے دیکھتا رہا۔

طوسیہ نے تلاوت ختم کی اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ تھیل
نے بھی ہاتھ اٹھا لئے اور بلند آواز سے بولنے لگا۔

”یا اللہ مسلمانوں کے دلوں سے ناراضگی دور کر۔“

طوسیہ ضبط کے باوجود مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

ماشاء اللہ کہ بڑی اللہ والی ہیں۔ طوسیہ دعا مانگ

چکی تو تھیل بخاطر ہو۔

”ہم بے سہاروں کا ہے ہی کون سوا۔“ وہ ان بات کے

طوسیہ نے یاس سے کہا۔

”مگر شاید سہارا وہ بھی نہیں ہے۔“ تھیل نے حسرت سے کہا

ایسا نہ کہیے۔ اگر وہ ناراض ہو جائے تو پھر کہیں ٹھکانہ نہ رہے گا۔“

طوسیہ نے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

”ٹھکانا تو اب بھی کہیں نہیں ہے۔“

”کفر کے کلمے نہ نکالئے۔۔۔ جھیل صاحب۔“

جھیل نے طوسیہ کے لہجے میں اپنائیت سی محسوس کی

”بہت بہتر۔ آئندہ احتیاط رکھوں گا۔“

جھیل سادگی سے بولا۔

طوسیہ خاموش ہو گئی۔ جھیل نے سوہیا پر خاموشی کہیں

پھر اسے اداسیوں کی وادی میں نہ پہنچا دے۔ اسے اداس

دیکھ جھیل بے چین ہو جایا کرتا تھا۔ اس وقت اس کا موڈ قدر

بحال دیکھ کر اس کا جی چاہا وہ اپنے دل کی بات کہہ دے اس

کی غلط فہمی دور کر دے۔ پھر ایک خیال آتے ہی اس کی آنکھیں

چمک اٹھیں۔

”آج آپ کی ممی کی فاتحہ ہے مزار پر نہ جائیے گا۔“

”ضرور جاتی۔ لیکن خالہ جان نے بتایا کہ ڈرائیور تھپی پر ہے

شام کو یا پائیں گے تو لے جائیں گے۔ طوسیہ نے جواب دیا۔

”محترمہ یہ خاکسار بے دردی کا ڈرائیور حاضر ہے۔ آئیے بے جلد

”جہیں۔ اب شام کو ہی جاؤں گی۔“ طوسیہ نے بات طعنے پر

طوسیہ نے بات ختم کر دی تھی۔ جیل سوچ میں پڑ گیا۔ اسی وقت بیگم شہاب آگئیں۔

”یہ باتیں ہو رہی ہیں بھئی؟ بیگم شہاب نے شفقت سے پوچھا۔
انیل جلدی سے بولا۔

”مہی یہ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ انھیں قبرستان لے چلوں۔
اب آپ ہی دیکھیے ناکلینک بھی جانا ہے اور ...۔“
”لے جاؤ نا۔ بری بات ہے بات نہیں مالتے۔“ بیگم شہاب
انیل کی بات کاٹتے ہوئے بولیں۔

”مگر مہی .. خیر اگر آپ کہتی ہیں تو لے جاتا ہوں۔“ اس نے
سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ”چلیے“ پھر وہ طوسیہ کی طرف دیکھتا ہوا بولا
طوسیہ پریشان ہو گئی۔ ”مگر میں تو“

”چلی جاؤ بیٹا۔ وہ تو بہت شام کو آئیے گے۔“ جیل کے ساتھ
چلی جاؤ۔ شاباش۔

بیگم شہاب طوسیہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔
جیل مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور طوسیہ یاد دلانا خواستہ اس
کے پیچھے ہوئی۔

”یہ کیسا بد تمیزی ہے جناب۔“ طوسیہ نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا

جیل نے مسکرا کر گرٹ سلگایا: "کوٹ سیٹ پر ڈالتے ہو
شوفی سے بولا۔"

اگر میں یہ ڈرامہ نہ کرتا۔ تو آپ میرے ساتھ کیسے چلتیں اور مجھے
آپ کی ناراضگی دور کرنے کا موقع نہیں ملتا۔"

"جیل صاحب۔ میری آپ سے دوستی کب تھی۔ جواب ناراضگی
ہو گئی۔ طوسیہ سنجیدگی سے بولی: "آپ مجھ میں اتنی دلچسپی نہ لیجیے
کہ مجبوراً مجھے یہ گھر چھوڑ کر چلا جانا پڑے۔ آپ نے میرا گھر تو اجاڑ دیا
اب...."

طوسیہ سسک پڑی۔ الفاظ اس کی زبان پر اٹک کر رہ گئے
"طوسیہ میں آپ کے دل سے یہی غلط فہمی نکالنا چاہتا ہوں
وہ حالات بڑے عجیب تھے۔ بلکہ میرے ساتھ قدرت کا زبردست
مذاق سمجھو۔"

جیل گرٹ کا لباس کشی لیتا ہوا بولا۔

"جی ہاں۔۔۔ وہ بھی مذاق ہی تھا جو میری ماں سے کیا گیا تھا
لیکن یہ مذاق کرتے ہوئے شاید آپ لوگوں کو خیال نہ رہا ہو کہ وہ
غریب اس مذاق کی تحمل بھی ہو سکتی ہے۔"
"مجھے خود بھی نہایت ہے طوسیہ۔ دراصل میں نے آپ کو۔"

” چھوڑیے جمیل صاحب۔ طوسیہ بات کا نئی ہوئی بولی۔ مذاق ختم ہو چکا۔ اب گروے مردے اکھاڑنے سے کیا فائدہ۔“

” طوسیہ... جمیل آئینہ میں اسے دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔ جو کچھ ہو چکا اسے فراموش کر دو... اب اپنی آنکھوں سے یہ ادا اسی سمیٹ لو۔ اتنی سی عمر میں بزرگوں کی سی سنجیدگی اچھی نہیں لگتی۔“

کیسے بہنوں جمیل صاحب... بچپن سے روتے روتے عادت ہو گئی ہے۔ اب تو ہنسنے کی بات پر بھی آنسو نکل آتے ہیں۔ آپ لوگوں کی کرم فرمائیاں نے ہم بے بسوں کی آنکھوں میں برسات بھر دی ہے۔ طوسیہ تلخی سے سکراتے ہوئے بولی۔

”مجھے غلط نہ سمجھو طوسیہ۔ جمیل نے پھر اسے سمجھانا چاہا۔

”کسی نے اب کچھ سمجھنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔“ طوسیہ بیزاری سے بولی۔

”میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ سن تو لو۔ جمیل بیچارگی سے بولا۔

”کیا کوئی سنگر جھوٹی تسلیوں سے یہ زخم بھر نہ سکیں گے۔“

”میں تسلی نہیں دے رہا۔ حقیقت بیان کرنا چاہ رہا ہوں۔“

”حقیقت اور افسانہ دونوں ہی برابر ہیں میرے لئے۔ طوسیہ

نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔
 انیل نے ایک طویل سروسائسل اور خاموش ہو گیا مگر ٹ
 کے دو تین لمبے لمبے کش لئے اور ختم ہوتی ہوئی مگر ٹ سے دوسرا
 سگرٹ سٹاکر شرک پر دیکھنے لگا۔

بازار میں ایک جگہ اس نے گاڑی روک کر بھول خرید لیے
 شام کی سیاہی بڑھنے لگی تو خشکی میں بھی کافی اضافہ ہو گیا۔ جب وہ
 دونوں قبرستاں پہنچے تو طوسیہ کانپ رہی تھی۔

”اگر اعتراض نہ ہو تو یہ کوٹ اپنے کاندھوں پر ڈال لیجئے۔“
 جمیل نے طوسیہ کو سردی سے کانپتے ہوئے دیکھا تو اپنا کوٹ
 اس کی طرف بڑھا دیا۔

”شکریہ۔ رہنے دیجئے۔“ طوسیہ گریز کرتی ہوئی بولی۔
 ”پہن لیجئے۔ آپ کو بخار بھی ہے۔ جمیل نے اصرار کیا۔
 ”کیسے معلوم آپ کو۔“ طوسیہ نے جمیل کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”محترمہ ڈاکٹری کرتا ہوں۔ بھوسی مگر ٹے نہیں بچتا۔“

جمیل نے کوٹ اس کے شانوں پر ڈال دیا۔
 طوسیہ جمیل کی بات پر مسکرا دی۔ جمیل کو گویا زندگی مل گئی
 وہ کھل اٹھا لیکن یہ مسکراہٹ چند ہی لمحوں بعد سکینوں میں تبدیل ہو چکی تھی

ماں کی قبر دیکھ کر طوسیہ کی آنکھوں کے سوتے بہہ نکلے۔ جمیل
نے سلیقے سے پھول قبر پر چڑھائے اور ایک طرف کھڑا ہو کر
فاتحہ پڑھنے لگا۔

طوسیہ ماں کی قبر سے لپٹ گئی۔ آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو
قبر پر چھڑکا د کرنے لگے۔

”ماں... تم کہاں جا چھپی ہو.. ماں... مجھے گلے لگا لو۔ دیکھو
میں کتنی دور سے تمہارے پاس آئی ہوں مجھ سے کب تک سوکھی
رہو گی ماں... بولو.. کچھ تو بولو ماں۔ تمہارے پاس آئی ہوں۔
تمہارے بغیر مجھ سے اس دنیا میں نہیں رہا جائے گا.. مجھے اپنے
پاس بلا لو...“

طوسیہ ماں کی قبر پر سر رکھ کر بچوں کی طرح روتی رہی۔ جمیل
کا دل بکھرا آیا۔

”اٹھو طوسیہ رات ہو رہی ہے۔ اب گھر چلیں۔“

”رہنے دو.. جمیل مجھے اپنی ماں کی قدموں میں رہنے دو
شاید ان کی ناراضگی دور ہو اور وہ مجھے اپنے سینے سے لگالیں
طوسیہ نے قبر کو اس طرح بھیج لیا جیسے وہ اپنی ماں کے
سینے سے لگی ہو۔“

”بھئی اس دنیا میں آنے والے۔ اس دنیا کے طور طریقوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ مختاری ماں ایسی دنیا میں چلی گئی ہیں جہاں جانے کے بعد کوئی واپس نہیں ہوتا۔ اس طرح نہ روؤ کہ انکی سوچ یہی تھی۔ انیل نے آگے بڑھ کر طوسیہ کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

طوسیہ آہستہ سے اٹھی۔ ماں کی قبر رحسرت سے نظر ڈالی۔ اچھا اُمّی خدا حافظ کہتی ہوئی انیل کے ساتھ نڈھال سی تھکے تھکے قدم اٹھاتی واپس ہوئی۔

سیاہ بیوک قبرستان کے باہر کھڑی تھی۔ جیل نے انکی سیٹ کا دروازہ کھول دیا اور طوسیہ چپ چاپ بیٹھ گئی جیل نے گاڑی اشارٹ کی اور اسے گھر کی جانب موڑ دیا۔ طوسیہ پشت سے سرٹکائے آنکھیں بند کئے کچھ سوچ رہی تھی۔

”طوسیہ....“ جیل نے کن آنکھیں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے بکا را۔

”جی...“ وہ ذرا سی آنکھیں کھولتے ہوئے بولی۔

”سردی زیادہ لگ رہی ہے کیا؟“

”نہیں تو... سر میں درد ہو رہا ہے۔“ طوسیہ کی نڈھال سی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

”لوہیہ مغلرہ لپیٹ لو۔“ جیل نے ایک ہاتھ سے ائیرنگ سنبھالا۔
 اور دوسرے ہاتھ سے مغلرہ طوسیہ کے گلے میں پہنا دیا۔
 طوسیہ کی نیند میں ڈوبی ہوئی لو جیل پلکوں نے آنکھوں کے
 درپے کو چھپا لیا۔ وہ نیند سے جھوٹنے لگی۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد
 اس کا سر آہستہ آہستہ ڈھلکتا ہوا جیل کے کاندھوں سے
 آگیا۔ جیل نے کار کی رفتار آہستہ کر دی۔ وہ ان لمحات کو زیادہ
 سے زیادہ طویل کر دینا چاہتا تھا۔

”امی... طوسیہ کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔ مجھے اپنی
 گود میں چھپا لو۔ امی۔“
 جیل اس کی معصومیت پر سکر اڑا۔ ایک نظر سوتی ہوئی طوسیہ
 پر ڈالتا ہوا دھیرے سے بولا۔
 ”کتنی ادا اسی ہے اس چاند پر۔“

طوسیہ کو جیل کے گھر رہتے ہوئے تین ماہ گزر چکے تھے۔ اس
تین ماہ کے عرصے میں بیگم شہاب اور نبیلہ نے اس کی دہجہ میں کسٹم
کی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ جیل نے بھی طوسیہ کے غم میں شریک ہو نیلی
امکانی کوشش کی تھی۔ اس نے طوسیہ سے گھل مل جانا چاہا لیکن
طوسیہ کا رویہ اس سے ہمیشہ ہی روکھا رہا۔ جیل کو اس کا افسوس تھا
وہ اکثر تنہائی میں اسی کے متعلق سوچتا۔ لیکن اس کی سمجھ میں اب تک نہ
آ سکا تھا کہ طوسیہ کی غلط فہمی کس طرح دور کیا جائے۔

اس نے عرصے رہنے کے بعد طوسیہ اس ماحول سے قدرے مانوس ہو چکی
تھی۔ وہ جیل کے خاندان کی ایک فرد بن چکی تھی۔ اب کبھی کبھی اس
کے ہونٹوں پر سکر ایٹ آجایا کرتی جیل کا خیال تھا۔ اگر اسی طرح کسو
کا خیال رکھا گیا۔ تو کچھ عرصہ بعد ان دیران آنکھوں میں زندگی کی چمک
پیدا ہو جائیگی۔ سکر ایٹ سے نا آشنا لب ہنسنا سیکھ جائیں گے۔ لیکن
اس کے باوجود سب سے بڑی ٹکرا اپنی تھی۔ کیا کبھی وہ طوسیہ کے دل میں

اپنی محبت پیدا کر سکے گا، جیل کو دیکھ کر اس کے ذہن میں پچھلے واقعات
 کروٹیں بدلنے لگتے۔ اور اس کا دل چاہتا وہ جیل کی نظروں سے
 دور رہے۔

جیل ایک میڈیکل کالفرنس میں شرکت کے لئے باہر گیا ہوا تھا
 طوسیہ اس کی غیر حاضری میں کچھ مطمئن سی نظر آنے لگی۔ اس کا
 پریشان سا بہکا بہکا ذہن سکون محسوس کرنے لگا۔ جیل کی
 فحش کہتی ہوئی نگاہیں اس کی ذہنی انجمنوں میں مزید اضافے کا باعث
 بنی رشتی تھیں۔

طوسیہ باغیچوں میں کرسی ڈالے بیٹھی کوئی شعر گنگنا رہی تھی۔ نیلا
 کرسی کے پیچھے کھڑی اس کے بال سلجھا رہی تھی۔
 "دکھتے اچھے بال ہیں تمہارے طوسیہ۔" نیلا بالوں کو سلجھاتے
 ہوئے ان پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔
 "اور میں... طوسیہ نے گردن موڑ کر نیلا کی جانب دیکھتے ہوئے
 پوچھا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ تم تو اتنی اچھی... اتنی اچھی ہو۔
 نیلا کسی اچھی سی تشبیہ کے متعلق سوچنے لگی۔
 "آخر کتنی اچھی۔" طوسیہ مسکرائی۔

”جتنی میں...“ نیلا کی کچھ میں کچھ نہ آیا تو اپنے سے قہر
وے ڈالی۔

نیلا کے منہ سے ”میں“ کا لفظ سکر سکراتی ہوئی طوسیہ
ایک دم ہنس پڑی۔ نیلا کا قہقہہ پوری کوٹھی میں گونج گیا۔
”طوسیہ تم مجھ سے کہیں زیادہ اچھی ہو“ نیلا سنجیدہ ہوتے
ہوئے بولی۔

”اب لگیں چکنے“ طوسیہ سکراتے ہوئے بولی۔
”بھئی اگر لائق نہ ہو تو چلو می سے پوچھ لیں۔ وہ تو یہی کہتی ہیں“
نیلا خوشی سے بولی۔

طوسیہ چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد بولی۔
”اگر خالہ جان اور نیلا تم نہ ہوتیں تو کیا ہوتا میرا“ طوسیہ کے
چہرے پر سنجیدگی طاری ہونے لگی۔
”چھوڑو طوسیہ کیا باتیں لے بیٹھیں۔ تم کیا میری بہن نہیں ہو۔“
نیلا ٹالتی ہوئی بولی۔

”ہاں نیلا اب تو بہن ہی سمجھتی ہوں تمہیں۔“
نیلا نے طوسیہ کو جواب دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ گیارہ
بجے ٹنگر ڈاکر ان کی طرف آنا نظر پڑا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لٹا

ہو جائیں۔ اور ہاں میں کل پہنچ رہا ہوں۔
 نبیلا خط بند کر کے اپنے پیارے دیکھنے لگی۔
 ”ان سے زیادہ دل آزاری کون کرے گا۔ طوسیہ دھیرے
 سے بولی۔

”طوسیہ ڈارلنگ تم نے اب تک میرے بھائی کو معاف نہیں
 کیا۔ بھیا دل کے بڑے نہیں ہیں۔ ہاں مگر ضدی بہت ہیں انھوں نے
 جس چیز کو حاصل کرنا چاہا کر کے رہے۔“
 نبیلا نے طوسیہ کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ ”دیکھو نا تم کو پہلی بار
 دیکھ کر ہی وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ کہیں اور شادی کرنے سے انکار
 کر دیا۔ مگر بیچارے کی قسمت کہ بعد میں معلوم ہوا کہ تم ہی وہ اجنبی
 محبوبہ ہو جس کے لئے انھوں نے مئی کی بات بھی رد کر دی۔

”ڈرامہ تو اچھا جوڑ لیتی ہو۔ طوسیہ طنز سے بولی۔“
 ”اے طوسیہ تم یقین کیوں نہیں کرتیں۔ نبیلا بولی۔“
 ”اس لئے کہ میں پہلی نظر کی محبت کی قائل نہیں ہوں۔“
 طوسیہ اپنے بالوں کو انگلی میں لپیٹتی ہوئی بولی۔
 طوسیہ.. ایک بات پوچھوں، نبیلا نے طوسیہ کی آنکھوں بھانکا
 ”ضرور پوچھو۔ طوسیہ لا پرواہی سے بولی۔“

کیا تم کو بھیتا سے بہت نفرت ہے ؟
 " نفرت تو مجھے اپنے سوا کسی سے بھی نہیں ۔"
 " طوسیہ نے پلکیں جھٹکا کر کہا ۔"
 " پھر تم بھیتا کے ذکر سے اتنی بیزار کیوں ہو جاتی ہو ؟"
 " بھیتا کے عجب میں درد تھا ۔
 " تمہارا خیال ہے نیلا ۔ میں ان سے بیزار کیوں ہونے لگی ۔"
 " جانتی ہو بھیتا کیوں چلے گئے ؟"
 " مجھے کیا معلوم ۔ طوسیہ سر دھری سے بولی ۔"
 " تمہاری وجہ سے ۔ " نیلا نے اسے شکایت بھری نظروں سے
 دیکھا مگر ان کے کبھی سیدھے منہات نہیں کی ۔ ان کے سامنے تک
 سے بیزار رہیں تم ۔ وہ مجھ سے کہہ رہے تھے طوسیہ کو میری وجہ سے تکلیف
 محسوس ہوتی ہے ۔ میں کچھ عرصے کے لئے باہر چلا جاتا ہوں ۔
 " کاش تم یہ سب مجھے پہلے بتا دیتیں ۔"
 طوسیہ نیلا کو گھورتی ہوئی بولی ۔
 " پھر کیا کرتیں تم ؟ نیلا نے پوچھا ۔
 " میں خود یہاں سے چلی جاتی ، یہ ان کا گھر ہے میں نہیں جا سکتی
 میری وجہ سے وہ اپنا گھر چھوڑیں ۔"

”تم بہت جذباتی ہو... طوسیہ... تمہیں یہ گھر چھوڑنے ہی کوئی تہا۔
 فکر نہ کرو۔ یہ تمہیں چھوڑ کر کہیں نہ جانے دوں گی۔“
 نبیلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”سجیدہ باتوں کو ہنسی میں نہ ٹالو نبیلا۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا۔
 مجھے گھر جانے دو۔ مگر...“

طوسیہ اپنی پیشانی رگڑتی ہوئی بولی۔

”خبردار طوسیہ جو تم نے یہاں سے جانے کا نام لیا۔ کیا یہ گھر
 تمہارا نہیں.... اور اگر یہی بات ہے تو بہت جلد تم کو اس گھر کا
 قالوئی حقدار بنا دیا جائے گا۔“

نبیلا شوخ نظروں سے طوسیہ کو دیکھنے لگی۔

”ہونہہ.... طوسیہ ہنس مڑی۔ تلخی اس کی آنکھوں میں اتر

آئی۔ ”تم بھی امی کی طرح خوابوں کی دنیا میں رہتی ہو؟“

طوسیہ کی آنکھوں میں اپنی ماں کی تصویر کھینچ گئی۔ اس کی

آنکھوں میں پہلے کی سی ویرانی جھانکنے لگی۔ اور چہرے پر اسی

پھینے لگی نیلا نے اس کی کیفیت دیکھی اور ایک سرد سانس لیکر رہ گئی۔

دونوں ہی خاموش تھیں۔ نبیلا سوچ رہی تھی۔ اسے پھینا کے

متعلق اتنی وضاحت سے باتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ اور طوسیہ

کو وہ وقت یاد آگیا جب اس کی ماں بستر پر پڑی مگنی کے لئے آئی تھی۔
مہانوں کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔

نہ جانے یہ خاموشی کب تک قائم رہتی کہ بیگم شہاب آگئیں۔ ان کے
ہاتھ میں کھلا ہوا خط تھا اور چہرے سے عجلت نمایاں۔

ارے تم لوگ یہاں ہو۔ اور میں کمروں میں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔
بیگم شہاب دونوں کے قریب آئے ہوئے بولیں۔

”خیریت.. کیا بات ہے محی۔“ نبیلانے پوچھا

”ہاں کبھی خیریت ہے سب۔ وہ عامر کی ماں کل آرہی ہیں۔“

بیگم شہاب ہاتھ میں تھامے ہوئے خط کو ہلاتے ہوئے بولیں
بیگم شہاب کو دیکھ کر طوسیہ کھڑی ہوئی۔ اور کرسی پیش کرتی ہوئی

بولی۔

”شرف رکھیں خالہ جان !“

”نہیں بیٹی... ابھی بہت کام کرنے کے لئے پڑے ہیں۔ تم

لوگ کیا کر رہی ہو۔“

بیگم شہاب کچھ یاد کرتے ہوئے بولیں۔

کچھ بھی نہیں۔ یوں ہی بائیں کر رہے تھے۔

طوسیہ نے موصوفیت کے جواب دیا۔

” تو چلو بیٹی مل کر ذرا کمرے وغیرہ ہی ٹھیک کروادو۔ یہ تو کر لوگ خود سے تھوڑے ہی کام کرتے ہیں۔ جب تک ان کے سر پر نہ کوئی گھڑا ہو۔“

” گھبرا گئیں نہیں سب کچھ آپ کی حسب منشاء ہو جائیگا خالہ جان“
طوسیہ نے جواب دیا۔ پھر وہ نیبلا سے مخاطب ہوئی۔ ” او نیبلا۔“
” ممتی خالہ جان اکیلی آرہی ہیں یا فرناز بھی ساتھ ہے۔“

نیبلا نے طوسیہ کے ساتھ چلتے ہوئے ممتی سے پوچھا۔
” فرناز کے علاوہ عامر بھی ساتھ آرہا ہے۔“

بیگم شہاب نے مسکرا کر نیبلا کو دیکھا۔ اور نیبلا شرمناک کھانسی
” یہ شاہدہ بیگم تمھاری خالہ ہوتی ہیں۔ عامر اور فرناز ان کے
بچوں کا نام ہے۔ عامر نیبلا کا منگیترا ہے۔“

نیبلا کے جانے کے بعد بیگم شہاب نے ہنستے ہوئے
طوسیہ کو بتایا۔

” اچھا بیٹی تم اور نیبلا کمرے ٹھیک کروالو۔ میں دوسرے کام
دیکھتی ہوں۔“

بیگم شہاب باورچی خانہ کی طرف مڑ گئیں۔
دوسرے دن صبح لاشہ کی میز پر شہاب صاحب بیگم شہاب

نبیلا کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ ان کے مقابل کرسی پر صرف طوسیہ گردن جھکائے بیٹھی تھی۔

”ارے بھی یہ لوگ کہاں میں آج“

شہاب صاحب نے اخبار سے نظر ہٹا کر طوسیہ سے پوچھا۔
 ”خالہ جان تو آپ کے آنے سے پہلے یہیں تھیں۔ میں جا کر دیکھتی ہوں۔“ طوسیہ اٹھتی ہوئی بولی۔

شہاب صاحب دوبارہ اخبار پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔
 طوسیہ ان دونوں کو دیکھنے اٹھی ہی تھی۔ کہ بیگم شہاب کمرے میں داخل ہوئیں۔

”کہنا مانتا تو جانتی ہی نہیں اچکی کی لڑکیاں۔“

”کیا ہوا بیگم کس نے آپ کا کہنا نہیں مانتا۔“

شہاب صاحب نے اخبار ایک طرف ڈالتے ہوئے پوچھا۔

”یہ نبیلا ہے اور کون ہوگا۔ منع کیا تھا۔ لیکن شام کو ٹھنڈے

پانی سے نہا بیٹھی۔ اور اب بچار میں پڑی ہے۔“

بیگم شہاب سنہ بناتے ہوئے بولیں۔

عجیب لڑکی ہے۔ یہ ٹھنڈے پانی سے نہانے کی کیا لگ تھی

بھلا۔ اور وہ بھی۔۔۔ ایسے موسم میں۔“

کل ذرا کمرے وغیرہ صاف کروائے تھے۔
 ہوں۔۔ زیادہ تیز تو نہیں ہے بخار۔ چلو دیکھیں۔ ” شہاب صاحب اٹھنے لگے۔

” ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پٹڑا معمولی سا گرم ہے۔ آپ
 ناشتہ کر لیں پھر دیکھ لیجیے۔ میں نے بخار کی گولی کھلا دی تھی۔“
 شہاب صاحب کے ساتھ ہی طوسیہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی
 لیکن جب شہاب صاحب قدرے مطمئن ہو کر ناشتہ کے لیے بیٹھ گئے
 تو طوسیہ کمرے سے نکلتے ہوئی بولی۔

” خالہ جان ذرا میں دیکھ آؤں۔“

” بیٹی پہلے ناشتہ تو کرو۔“ بیگم شہاب نے کہا۔

لیکن اتنے میں طوسیہ نیلا کے کمرے تک پہنچ چکی تھی۔ دروازہ
 کھلا تھا وہ پردہ اٹھا کر اندر داخل ہو گئی۔ نیلا بستر پر آنکھیں بند کر کے
 دراز تھی۔

” کیوں بھی کیسے چڑھا لیا یہ بخار۔ طوسیہ نیلا کے ماتھے پر ہاتھ

رکھتی ہوئی بولی۔

نیلا نے آنکھیں کھول دیں۔ ذرا آرام کرنے کو طبیعت چاہ رہی
 تھی۔ نیلا مسکراتے ہوئے بولی۔

”بخار تو اس وقت زیادہ نہیں معلوم ہوتا۔“
 ”ارے بھئی یونہی ذرا سی حرارت ہے۔ گولی مٹی نے کھلا دی ہے
 ابھی گھنٹہ دو گھنٹہ میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔“
 اچھا! کو میں تمہارا سوچا دوں۔ طوسیہ دباتے ہوئے بولی۔
 ”نہیں بھئی!... طوسیہ... یہ کیا کر رہی ہو؟“
 نبیلہ نے طوسیہ کا ہاتھ مانتے سے ہٹا کر اپنے دونوں ہاتھوں
 میں لے لیا۔

کیا حرج ہے اگر دو چار سنٹ دبا لو گی تو۔ آرام آ جائے گا۔
 طوسیہ اصرار کرتی ہوئی بولی۔
 ”جناب مجھے تو معاف ہی فرمائیے تو اچھا ہے۔“
 نبیلہ مسکراتی ہوئی ہاتھ جوڑتی ہوئی بولی۔
 دو ٹوئی بحث ہو رہی تھی۔ شہاب صاحب اور بیگم شہاب
 کمرے میں داخل ہوئیں۔

”کیوں بھئی کیسی طبیعت ہے بیٹی۔“ شہاب صاحب نبیلہ کی
 نبض ٹٹولتے ہوئے بولے۔
 ”ہلکا سا بخار ہو گیا ہے۔ ڈیڈی!“
 بخار ہلکا ہی تھا۔ شہاب صاحب نبیلہ کی نبض دیکھ کر قدرے

سطحیں ہوئے۔ لیکن پھر بھی ڈاکٹر کو بلوانے کی تاکید کرتے ہوئے بیگم سے بولے۔

اچھا بیگم میں چلتا ہوں۔ آج کافی لیٹ ہو گیا۔
 شہاب صاحب نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی
 اور کمرے کے باہر نکل گئے۔ بیگم شہاب خدا حافظ کہتی ہوئی کمرے
 کے دروازے تک ان کے پیچھے آئیں۔ چند سیکنڈ دروازے پر
 کھڑی ہو کر شہاب صاحب کو جاتے ہوئے دیکھتی رہیں اسکے بعد
 واپس آ کر طو سیر سے بولیں۔

”بیٹی مجھے تو فرصت ہے نہیں۔ تم ایسا کرو جیل کو لینے یا ریپڈ
 جلی جاؤ۔ نبیلا جاتی لیکن اسکی طبیعت خراب ہے۔
 خلیلہ کی زبان سے جیل کو لینے جانے کے متعلق منکر طو سیر
 چونک اٹھی۔ اس کا جی چاہا فوراً انکار کر دے لیکن بیگم شہاب کے
 سامنے انکار کرتے بن نہ آئی۔ چنانچہ دھیرے بولی۔
 کتنے بچے آئیں گے وہ۔ میرا مطلب ہے مجھے کب بھلا ہوگا

انٹرپورٹ۔
 ”ایک گھنٹہ باقی ہے۔ میرا خیال ہے تیار ہو جاؤ میں فوری طور
 سے کہہ دیتی ہوں۔“

سیگم شہاب واپس جاتے ہوئے بولیں۔
 ایک گھنٹہ کے بعد سیدہ سیاہ ساری میں بیوس ایروڈم پر لنگ
 کا سہارا لئے کھڑی سوچ رہی تھی۔ جیل کوئی بچہ تو ہے نہیں اور نہ
 ہی پہلی مرتبہ یہاں آ رہا ہے کہ اسے لینے کسی کا یہاں آنا ضروری ہوتا
 پھر اسے سیگم شہاب کا خیال آگیا۔ ماں ہیں نا۔ اور وہ ایروڈم پر
 چکر لگاتے ہوئے جہاز کو دیکھتے ملی۔

دو تین چکر لگانے کے بعد جہاز میدان میں اتر کر دوڑنے لگا۔
 رفتار کم ہوتے ہوئے بالکل قائم ہو گئی۔ سیر پھیاں لگیں اور تھوڑی دیر کے
 بعد مسافر جہاز پر سے اترنے لگے۔

ہوا خاصی تیز تھی۔ طوسیہ کے بال بار بار اس کے چہرے پر لوٹنے
 لگے۔ دو بالوں کو ہٹاتے ہوئے ایک ایک مسافر کو اترتے ہوئے
 دیکھنے لگی مشکل سے دو تین مسافر اترنا باقی رہ گئے ہوں گے کہ آجے جیل
 نظر آیا۔ وہ سیاہ سوٹ میں بیوس ایک ہاتھ میں بریف کیس تھامے
 دھیرے دھیرے اتر رہا تھا۔

طوسیہ نے ہاتھ ہلا کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ لیکن اس نے
 ایروڈم کی طرف دیکھا تک نہیں۔ طوسیہ کا دل چاہا جیگر کھینا نہ دے
 ہو گیا۔ اتنی بڑی پانچ فٹ کی لڑکی تم کو نظر نہیں آتی دیکھو میں یہاں کھڑی

ہوں۔ لیکن اتنے ہجوم کبھی میں وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی اس نے غصہ سے ہاتھ گرایا۔ اور تیزی سے نیچے آئی۔ جیل کسٹ چیکنگ کے بعد باہر نکل رہا تھا۔

”ہیلو... جیل۔ طوسیہ آگے بڑھی۔

”ادہ طوسیہ دی گریٹ... کس کو رسیو کرنے آئی ہیں۔

”آپ کو... طوسیہ نے سادگی سے جواب دیا۔

”نہی نصیب۔ جیل خوش ہوتا ہوا ہوا۔

پھر اس نے طوسیہ کی طرف غور سے دیکھا۔

”میرے آنے کا کام کر رہی ہو شاید۔ جی یہ ماتی سیاہ لباس

زیبا تن ہے۔

یہ تو... طوسیہ ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ سیاہ رنگ

میرا پسندیدہ رنگ ہے۔ میرا دل چاہتا ہے تمام سیاہ چیزوں کو اپنالوں۔

”کاش قدرت نے مجھے افریقہ میں پیدا کیا ہوتا۔“

جیل نے حسرت سے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”مگر خباب انسان کا لے پسند نہیں مجھ کو۔“

طوسیہ نے پیچھا چھڑانے کی نیت سے جلدی سے کہا۔

”یعنی میرے جیسا گورا پسند ہے...“

جیل نے طوسیہ کا ہاتھ کھینچا۔

”بہت فخر ہے آپ کو خود طوسیہ بونی۔“

”بالکل جیل کا کاردارانہ کرتے ہوئے ہوں۔ آپ ہی لفٹ

نہیں دیتیں، دروازہ لڑکیاں تو میرے پیچھے لیں لگاتی ہیں۔“

”اوہو... طوسیہ منہ پر ہنسی اتنی خوش نہیں ہے آپ کو۔“

جیل خاموش رہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ طوسیہ نے ایک نظر

اس پر ڈالی۔ اس وقت جیل اسے اچھا لگ رہا تھا۔ سیاہ گھٹن پائے

بال۔ نکلا بی رنگت۔ بڑی بڑی شونج آنکھیں جوڑا سینہ اور دروازہ۔

کیا دیکھ رہی ہیں۔ جیل شہادت سے سرکاتا ہوا ہوا۔

بیت گندے ہیں آپ... ایک دم رعبے ہوئے۔ میرا خیال ہے

وہ بڑکیاں اندھی ہوں گی جو آپ کے پیچھے بھاگتی ہیں۔“

”اچھا تو آپ اتنی دیر سے یہی سوچ سوچ کر رہی تھیں

”میں کیوں جلنے لگی جناب۔“ طوسیہ کھرکی سے باہر دیکھنے لگی۔

”تو میرا خیال درست ہی تھا؟ جیل آہستہ سے بڑبڑایا۔

”کیا۔“ طوسیہ نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں کہ میرے جانے سے آپ کی صحت پر اچھا اثر پڑے گا!

واقعی ماشاء اللہ صحت مند نظر آ رہی ہو۔“

طوسیہ کو ایسا محسوس ہوا جیسے اسے کسی نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہو
 ذہن جو کسی نئی دنیا میں بھٹکنے لگا تھا، قہقہیل کے جملے نے اسے داس
 اپنی دنیا میں لپیٹ لیا۔

”آپ ہمیشہ میرا مذاق اڑاتے رہے ہیں۔ طوسیہ! داس ہو گئی۔
 ”بھئی یہ کیا بوریٹ ہے۔“

طوسیہ خاموش رہی۔ جیل نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اسکی
 طرف دیکھا طوسیہ کی اداس نگاہوں نے اسکی ساری خوش مزاجی چھین لی
 ڈرائیو نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔ جیسے اسے بھی ماحول کے اچانک
 تغیر میں بدل جانے کا احساس ہو گیا ہو۔ باقی راستہ خاموشی سے گزرا
 طوسیہ کی نگاہیں جو کھڑکی سے باہر تھیں تو گھر پہنچنے تک وہ باہر دیکھتی رہیں۔
 گھر پہنچنے پر جو کیدار نے گیٹ کھولا۔ جیل کو ادب سے سلام کرنے ہوئے
 ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ لان میں شہاب صاحب بیگم صاحبہ
 اور عمیل بیٹھے ہوئے اپنی کا انتظار کر رہے تھے۔ عمیل کی طبیعت اب
 ٹھیک تھی وہ دور درگاہائی کے گلے سے لٹک گئی۔ جیل نے اسے ایک
 ملکا سا ہجرت لگایا اور قریب پڑی ہوئی گریس پر اسے بٹھا کر ماں سے
 لپٹ گیا۔ ہیلو مچی بہ شہاب صاحب مسکرا رہے تھے۔ ماں سے
 فارغ ہونے کے بعد جیل باپ کے سامنے جھک کر ادب بجالایا۔

”جیتے رہو بیٹے۔ کیا طوسیہ ویل کم کرنے گئیں تھیں۔“
 شہاب صاحب ایک طرف اداس سی کھڑی ہوئی طوسیہ کی
 طرف دیکھتے ہوئے بولے۔
 نہیں پتا... یہ تو ایرپورٹ پر ہیں۔ کہیں بھاگ رہی تھیں ہیں
 پکڑ لایا۔ جیل ہنسٹا ہوا بولا
 ”جھوٹے... جیل کی مٹی ہنس پڑی۔ آپ کے جانے کے بعد
 میں نے سوچا کسی کو تو جانا ہی چاہیئے ایرپورٹ۔ نیلا کی طبیعت ٹھیک
 نہیں تھی۔ اسلئے سچا پری طوسیہ کو جانا پڑا۔ بیگم شہاب نے اپنے شوہر
 کو مخا طلب کرتے ہوئے کہا۔
 ”کیوں بھی کیا بات ہے۔ شہاب صاحب اداس کھڑی طوسیہ
 کی طرف دیکھ کر بولے۔
 ”جی... سر میں درد ہو رہا ہے۔ طوسیہ نے سلماری کا پلو اپنی انگلی
 میں لپیٹے ہوئے کہا۔
 ”اوہو... جاؤ بھی جا کر آرام کرو۔ جیل کوئی دوائی دے دے گا۔“
 ”جی نہیں تھوڑی دیر کے بعد آپ ہی ٹھیک ہو جائے گا۔“
 طوسیہ اپنے کمرے میں آکر لیٹ گئی۔ نگاہیں چھت پر لگی ہوئی تھیں
 اور خیالات جیل کی طرف۔ وہ کافی دیر تک یوں ہی چھت کو گھورتی رہی

پھر جانے کب اس کی آنکھ لگ جائیگی۔
 جیل اسے سرور کی گولیاں دینے آیا تو وہ سو رہی تھی۔ وہ یونہی
 بغیر مقصد کے اس کے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ سامنے میز پر ڈائری
 پڑی تھی۔ جیل لکھا کر صفحے پلٹنے لگا۔ ہر صفحہ پر چند شعریا کچھ جملے تحریر
 تھے۔ ڈائری کے اوپر لکھا تھا۔

اس زندگی کے نام جو خیالوں کی طرح دیران ہے۔
 جیل نے مگر طوسیہ کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ کاش میں
 اس دیرانی میں رنگ بھر سکتا۔ اس نے اور صفحے چلے۔ ایک، بلکہ لکھا تھا
 ”کیا تو سمجھتی ہے۔ تو نے غموں سے نجات حاصل کرنی۔ یہ قوت
 ابھی تو سیاہ رات آنے والی ہے۔ تاہم کیا یہ تقدیر میں جکی ہیں۔
 جیل نے جھلا کر وہ صفحہ بھی پھاڑ دیا۔ طوسیہ کی آنکھ کھل گئی۔ جیل کو
 اپنے کمرے میں دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھی۔

”کیا کر رہے ہیں آپ؟ طوسیہ کی نظر اپنی ڈائری پر پڑ گئی۔
 ”غموں کی سیاہ رات میں نے پھاڑ دی ہے۔“ جیل طوسیہ کی طرف
 دیکھ کر بغیر لولا۔

”کیوں پھاڑ دی میری ڈائری؟ طوسیہ بستر سے اٹھ بیٹھی۔
 ”ہم ساری ڈائری پھاڑ دینگے۔ اگر آپ نے ایسی ہی لکھی۔“

جیل اسے گھور کر دیکھتے ہوئے بولا۔

”محترم ڈاکٹر صاحب۔ دوسرے کمرے میں بغیر اجازت داخل ہوتا۔ ڈائری پڑھنا اور اسے پھاڑ دینے کے بعد اکرٹنا۔ بدتمیزی ہے طوسیہ تنک کر بولی۔

”محترمہ طوسیہ صاحبہ... اس قسم کے پیغام لکھ کر دوسروں کو دکھ پہنچانا اور پھر ڈانٹنا اس سے زیادہ بدتمیزی ہے۔“

طوسیہ برا مان کر دوسری طرف دیکھنے لگیں۔ جیل اکیہ اور ہانی چھٹی سی شیشی اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

”خیر جوڑ لے ان باتوں کو۔ اس میں سے ایک گولی کھا لیجئے۔“

سرخہ دیدہ کھٹیک ہو جائے گا۔“

”شکریہ اب نہیں ہے سر میں درد۔“ طوسیہ بغیر دیکھے بولی۔“

”ہوں۔ تو اب خود مجھے کھانی پڑے گی یہ گولی۔ تم نے میرے

سر میں درد کر دیا ہے۔“

جیل کے جانے کے بعد۔ طوسیہ کمرے سے باہر نکلی تو نبیلہ

اسی کے کمرے کی طرف آرہی تھی۔

خیریت تو ہے بھائی جان کسمد ہے تھے۔ تم درد کے مارے

چینیں مار رہی ہو۔

”تمہارے بھائی جان تو فقی ہیں۔ اور تم ان کے من میں جا رہی ہو“

”کیا مطلب۔“ نبیلا حیرت زدہ سی طوسیہ کو دیکھنے لگی۔

”بچگی میں تو بالکل بھٹیک چلی۔ طوسیہ سکرادی۔“

”ٹھہرو میں ان کی خبر لیتی ہوں۔ یہ بھی کوئی شرافت ہے۔“

نبیلا جھٹکا کر کرے کی طرف پٹی۔ جیل خود بالکل طرف اُردا تھا۔

پھر پیشتر اس سے کہ نبیلا کچھ کہتی جیل بولی پڑا

”بتا اور مئی تم دونوں پر خفا ہو رہے ہیں۔“

”کہاں ہیں خالہ جاں۔ طوسیہ گھبرا گئی۔“

”کھانے کے کمرے میں۔“ جیل نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

دونوں گھبراہٹی ہوئی کھانے کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ طوسیہ آگے

تھی۔ بیگم شہاب نے جو طوسیہ کو گھرائے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے

دیکھا تو انھیں بھی تشویش ہوئی۔

”کیسا ہے سرکار درد بیٹی۔ ہم کھانے پر کب سے انتظار کر رہے ہیں“

”جی...“ طوسیہ کچھ نہ سمجھ سکی۔

”اب یہ بالکل بھٹیک میں تھی...“ جیل کھانے کے میز پر بیٹھا ہوا

بولا۔ ”میری ایک ہی گولی سے ہر قسم کا درد فوراً بھٹیک ہو جاتا ہے۔“

جیل نے سوپ کا پیالہ اپنی طرف گھسکا تے ہوئے کہا۔

”پھر تو بھیا۔ قہ پا تھر پر جمع لگا کر بچا کرو۔ خوب چلے گی۔“ نبیلا
جیل کو گھورتے ہوئے جل کر بولی۔
”کیا بچنا ہے تم دونوں میں طوسیہ بیٹی کو دیکھو کتنی سنجیدہ ہے۔“
شہاب صاحب مسکرائے۔

جیل نے طوسیہ کا پاؤں دیا یا۔ طوسیہ نے ایک نظر جیل کی طرف
دیکھا اور پھر سر جھکا کر خاموشی سے کھانے میں مصروف ہو گئی۔
کھانے سے فرصت ہوتے ہی سیکم شہاب اپنی بہن شامدہ سیکم
کو رسیو کرنے جانے کے لئے کپڑے تبدیل کرنے کے لئے انھیں تو
نبیلا نے بھی ان کے ساتھ چھپنے کی خواہش ظاہر کی۔

چلو تمھاری مرضی لیکن جلدی تیار ہو جاؤ۔
سیکم شہاب کمرے سے نکلنے ہوئے پولیس۔
”تم بھی چلو طوسیہ“ نبیلا نے طوسیہ سے کہا
”اے... میڈم... سارے قبیلے کو لے جائیگی۔ تو گھر پر کون
رہے گا۔“ جیل بولا۔

”آپ اور کون رہے گا گھر میں۔“ نبیلا نے مسکرا کر جیل کو منہ چڑھایا۔
”ٹھہر ڈرا۔“ جیل نے اس کی چوٹی پکڑ لی۔
”مجھے... مجھے... میرے بال...“ نبیلا چیخی۔

”ارے... جیل اس کی چوٹی چھوڑنے ہوئے بولا: یہ اک
بال ہیں۔ میں تو چہرے کی دم کھتا تھا“

”تعمین کہیں جانا ہے کیا۔ شہاب صاحب نے جیل سے پوچھا“

”جی ہاں... پتا۔“ جیل سنجیدہ صورت بناتے ہوئے بولا۔

”تو پھر تم چلے جانا۔ طوسیہ رو جائیں گی۔“ شہاب صاحب بولے

”جی ہاں ٹھیک ہے میں رو جاؤں گی۔“ طوسیہ بولی۔

شہاب صاحب بیگم شہاب اور نیلا کے ایرپورٹ جانے کے بعد

طوسیہ ڈرائیونگ روم میں آکر ریڈیو آن کر کے بیٹھ گئی۔ ابھی تھوڑی
بھی دیر گزری تھی کہ جیل گھبرا یا ہوا پریشاں سی صورت لئے ڈرائیونگ
روم میں داخل ہوا۔

”مدد... یا اللہ میں کیا کروں...“ طوسیہ صاحبہ

ایک شریف آدمی کو آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔

جیل کو گھبرا یا ہوا دیکھ کر طوسیہ بھی تدرے پریشاں ہو گئی۔

”حلیہ کے اندر اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔

”خیریت... کیا بات ہے“

”ذرا میرے ساتھ آئیے“

”جیل اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔“

طوسیہ بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرہ میں داخل ہوئی۔ کمرے میں چاروں طرف ایک نظر ڈالی لیکن اسے کوئی ایسی بات محسوس نہ ہو سکی جسے وہ جمیل کی گھبراہٹ کا باعث قرار دیتی۔ وہ حیران سی اسکی شکل دیکھنے لگی

” اتنی دیر سے مغز کھپا رہا ہوں۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سوٹ پر کون سی مانی باندھوں۔ ذرا میری مدد کر دیجئے۔ عنایت ہوگی۔ جمیل مانی کے ہنگام کی طرف اشارہ کرتا ہوا بڑی بیچارگی سے بولا۔ اور طوسیہ کو شش کے باوجود اپنے لبوں پر ڈالی ہوئی بیباختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکی

کوئی اور نہیں ملا آپ کو بے وقوف بنانے کے لئے۔“
اس وقت تو پورے گھر میں آپ ہی ہیں :
جمیل کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

طوسیہ واپس جانے کے لئے عرصی تھی کہ جمیل ہلک کر دروازے پر آکھڑا ہوا۔

آپ کو قسم ہے جو آپ میری مدد کے بغیر کمرے سے جائیں۔
”کیا مذاق ہے یہ : طوسیہ بولی
مذاق نہیں میں سنجیدہ ہوں۔“

طوسیہ نے ایک نظر جمیل چڑائی اور پھر ٹائی کے ہینک کی طرف دیکھتی ہوئی بولی ۔

کوئی مٹس بھی باندھ لیجے ۔

آپ جس پر ہاتھ رکھ دیں گی ۔ میں باندھ لوں گا ۔

اچھا بابا ... یہ باندھ لو ۔ طوسیہ بیچھا چھڑانے والے انداز میں ایک سیاہ مائی پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی ۔

شکریہ ۔ اب ذرا اسے پریش بھی کرتی جائیں ۔

” واہ ... طوسیہ تنک کر بولی : میں کوئی آپ کی وہ ہوں :“

” وہ کیا : ہمیں نے سوخی سے پوچھا ۔

” تو بیسے ... وہ جھٹلا : استری کا پلک لگانے لگی ۔

” تم دو کیوں کو خرب کرنے کی کچھ عادت ہو گئی ۔

آج بات کیا ہے ۔ بہت بن سونور رہے ہیں ۔

طوسیہ پوچھے بغیر نہ رہ گئی ۔

جیسی وہ فرناز آ رہی ہے نا ۔

جمیل طوسیہ کی آنکھوں میں جھپٹتے ہوئے بولا ۔

جی طوسیہ نے پلکیں جھپکا کر اسے دیکھا ۔

” فرناز آپ کو پسند ہے ۔ طوسیہ کہیں دوسرے بولتی ہوئی محسوس دے گا ۔

مجھے تو سب ہی لڑکیاں پسند ہے۔ چاہے کوئی ایک آنکھ کی ہو یا
ایک ٹانگ کی۔ اسلئے تو اب تک شادی نہیں کر سکا۔ چھیل بے نیازی سے
بولتا۔ انتخاب ہی نہیں کر سکتا۔

”فرناز کیا بہت خوبصورت ہے۔“ طوسیہ نے دھیرے سے پوچھا۔
ہاں۔۔۔ ا۔۔۔ اگر اس کے بال چار انچ کے نہ ہوتے۔ رنگ ذرا
زیادہ ہی کالا ہو گیا۔ باقی سب ٹھیک ہے۔ بس ذرا دانت بڑے بڑے
ہیں۔ اور آنکھوں کا تو جواب ہی نہیں۔ قریب جا کر غور سے دیکھنا پڑتا ہے۔
ربما قد تو زیادہ ہیں چار فٹ سے دوڑھائی انچ کم ہو گا۔ اس پر صحت کا
یہ عالم ہے کہ کسی پہوان کا دھوکہ ہوتا ہے۔ بظاہر تو لمبائی اور چورائی ایک
ہی معلوم ہوتی ہے۔ تھوڑا بہت فرق ہو تو کہہ نہیں سکتا۔
طوسیہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ ٹائی پریس ہو چکی تھی۔ اس نے جمیل
کی طرف بڑھادی۔

”ذرا باندھ بھی دیجئے۔“ جمیل سر جھکاتے ہوئے بولا۔
”اب بہت زیادہ رست اتر آئیے۔“ طوسیہ ٹائی جمیل کی طرف اچھالتے
ہوئے کمرے سے باہر نکل آئی۔

زور زور سے دھڑکتا ہوا دل۔ اور چہرے پر دوڑتی ہوئی ہلکی ہلکی مسخری
دیکھ کر اس کی دلی کیفیت کا اندازہ لگالینا مشکل نہیں تھا۔ دراندے میں کر

ستون کے سہارے کھڑی ہو گئی۔

جمیل ثانی کی گرہ درست کرتا ہوا کمرے سے نکلا۔ برآمدے میں کھڑے طوسیہ کو دیکھ کر اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ طوسیہ بھانگ کی طرف منہ کئے خلا میں تک رہی تھی۔ اسے جمیل کے کی خبر تک نہ ہوئی۔ جمیل کو اس آنکھوں میں پھیلی ہوئی ہلکی سی چمک میں زندگی سکراتی ہوئی محسوس ہوئی۔

”تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے مولا“

جمیل نے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اوپر اٹھا دیے۔

طوسیہ نے جمیل کی طرف دیکھا۔ کس بات پر شکر ادا کیا جا رہا ہے۔

طوسیہ نے پوچھا۔

”ان روتی بسورتی آنکھوں میں آج زندگی محسوس کر رہا ہوئی سی“

جمیل جذباتی لہجہ میں بولا۔

”خالد جان اب تک نہیں آئیں“ طوسیہ موضوع بدلتے ہوئے بولی

جمیل نے ایک لمبی سی طویل سانس کھینچی اور اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ”طوسیہ تم حسین ہو مگر بہت کٹھن ہو۔“

”ہو سکتا ہے“ طوسیہ نے شلے جھٹک کر بے نیازی سے جواب دیا۔

”تم معصوم ہو لیکن بے وفا بھی“ وہ جھکتا ہوا بولا۔

”مکن ہے“ طوسیہ کی بے نیازی قائم تھی۔

”تمہارے ان لمبے لمبے حسین بالوں میں میرا کون الجھ کر رہ گیا ہے۔“
 ”میں کاٹ دیتی ہوں۔ نکل جائے گا۔“
 ”تمہاری خوابناک آنکھوں میں میرا مستقبل کھو گیا ہے۔ تمہاری ان معصوم

باتوں میں.....
 ”جیل : طوسیہ کی آنکھوں میں نمایاں زندگی کی لہریں یکلیخت سمٹنے لگیں :
 مجھے اس قسم کی باتوں سے نفرت ہے۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر دتار بے لوجی اور اس کا
 ہاتھ جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف چل دی ..
 اکیلے ستوں تھام لیا۔ جاتی ہوئی طوسیہ کو حسرت بھری نظروں
 سے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے ۔
 ”مجھے تمہاری نفرت سے بھی محبت ہے طوسیہ۔ وہ تلخی سے
 مسکراتا ہوا دھیرے سے بولا ۔

کوئی محفل ہو دنیا کی وہی ہے دل کی تنہائی
 نہ جانے یاد کی آیا۔ ہماری آنکھ بھرائی
 شاہد و حکیم اپنے بچوں سمیت آگئیں، ان کے دوہی پنکے تھے۔ عامر
 اور فرناز شاہد و حکیم کے شوہر کاروباری مصروفیت کی وجہ سے ناکے تھے۔
 گھر میں مہمانوں کی وجہ سے خاصی گھما گھمی تھی۔ طوسیہ اپنے کمرے میں
 کھڑکی کے قریب کھڑی تھی۔ اچانک کسی نے پیچھے سے آکر بچوں کی طرح ہا
 کو ڈرا دیا۔

”کون؟ طوسیہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ گھوم کئی۔
 ”اوہ سوری،“ عامر نے سر جھکاتے ہوئے کہا: ”میں بھلا
 تھا نیلا کھڑی ہے۔“

”نیلا کا کمرہ برابر والا ہے؟ طوسیہ نے دوسرے کمرے کی جانب اشارہ کیا۔
 عامر نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ استفسار کیا۔
 ”آپ ڈرین تو نہیں؟“

”جی.. نہیں۔۔۔“ طوسیہ سپاٹ لہجے میں بولی۔
 ”ارے جانیے۔ اب تک تو کانپ رہی ہیں آپ“ عامر نے
 مذاق اڑایا۔

طوسیہ بغیر کوئی جواب دینے خاموشی کیساتھ باہر کی جانب دیکھنے
 لگی۔ پھر اچانک اس کی نظر لان میں بیٹھے ہوئے جمیل... اور فرناز پر
 پڑی۔ جمیل اس کھڑکی ہی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ جہاں طوسیہ کھڑی
 تھی۔ فرناز کسی رسالے کی درق گردانی کر رہی تھی... طوسیہ
 غیر ارادی طور پر کھڑکی بند کرتے ہوئے کپٹھی۔ عامر اب تک وہاں
 پر ہی کھڑا ہوا تھا۔

”عامر صاحب میں نے بتایا کہ نیلا کا کمرہ یہ نہیں ہے“ اس نے
 عامر کو دیکھ کر جلدی سے کہا۔
 ”دسو توج رہی تھی۔“

اگر جمیل نے اسے میرے کمرے میں دیکھ لیا۔ تو مجھ پر یہ
 الزام نہ لگا دے۔ کیونکہ عامر اس کی بہن کا منگیتر ہے۔
 دیر تک طوسیہ سوچتی رہی۔

”یہ فرناز... اس نے بسورتے ہوئے سوچا۔ معمولی شکل
 کی لڑکی... مگر خود کو قلبی طور پر سمجھتی ہے۔ جمیل کے سچے دم

ہٹے پھرتی رہتی ہے۔ جب سے آئی ہے۔

”طوسی! تو یہ کہاں ہو...“ نیلا نے تارکے کے سرے میں جھانکتے ہوئے کہا۔

”یہاں...“ طوسی نے ایک کونے سے کہا۔

”تو یہ ہے... ختام ہو گئی... مگر اب تک لاسٹ نہیں جلائی۔“

نیلا نے سوچ اُن کرتے ہوئے کہا۔

کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

”سنو... ایک منہ کی بات نیلا نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔

”عاجز سب کو سوئی دکھانے لے جا رہا ہے۔ تم بھی جلدی سے

تیار ہو جاؤ۔“

وہ میں نہیں جاؤں گی نیلا ڈر کر ”طوسیہ“ نے کہا۔

”کیوں بھلا“ نیلا نے منہ بورتے ہوئے کہا۔

”بس تم چاروں ہی چلے جاؤ۔ طوسیہ بولی۔

”چاروں کون؟“ نیلا نے استفسار کیا۔

”تم، عام، قرناز، جمیل“ طوسیہ نے خفیف سی سکرابٹ کے ساتھ کہا۔

”مگر میں تمہارے بغیر نہیں جاؤں گی“ نیلا منہ سے انداز میں جھجھلا

کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

”بھئی۔ آپ کے بھائی اُجان نہیں جا رہے۔ کہتے ہیں... کہ تو چاروں

چلے جاؤ۔ یعنی میں آپ فرنا زنبیلا، اچانک عامر نے کمرے میں داخل ہوئے ہوئے کہا۔

نبیلا ہنس پڑی۔
 ”آپ کیوں ہنس رہی ہیں؟“ عامر اس کو گھور کر پوچھے سوئے
 انداز میں بولا۔

”محترمہ طوسیہ بھی اسی فرما رہی ہیں۔“ نبیلا نے سنجیدگی اختیار
 کرتے ہوئے کہا۔

”ہیں...“ عامر نے حیرت کا اظہار کیا۔

”نہیں نبیلا میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میرے سر میں درد ہوتا ہے
 مودی دیکھنے سے زیادہ ہو جائے گا...“ طوسیہ نے بیچارگی کا اظہار کیا
 ادھر پھر تو واقعی تمھارے ساتھ زبردستی کرنا ظلم ہو گا۔“ نبیلا نے
 جاتے ہوئے کہا۔

ان کے جانے کے بعد طوسیہ سیم شہاب کے پاس گئی۔ وہ باورچی
 کو ہدایت دے رہی تھیں۔

”میری کسی خدمت کی ضرورت ہو تو بتائیے طوسیہ نے لنگے
 قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ شاید وہ خود کو مصروف رکھنا چاہتی تھی
 کیونکہ اس نے سوچا ایل فرنا زنبیلا عامر سب ہی گئے ہوں گے۔“

”نہیں بیٹا.... بیگم شہاب نے پیار سے کہا: کوئی کام نہیں ہے
 پھر بھی طوسیہ ان کے قریب ہی کھڑی رہی اور جب وہ واپس
 آئی۔ تو جیل کے کمرے کے پاس سے گذرتے ہوئے اس نے جھانک
 کر دیکھا کمرہ تاریک پڑا تھا۔

طوسیہ اندر چلی گئی۔ کچھ دن ہوئے جیل اسکی ڈائری اٹھا کر لیکھا
 طوسیہ نے سوچا وہ ڈھونڈ کر لے جائے۔ موقع اچھا ہے۔
 وہ میز کی طرف بڑھی۔ اور زیر پر رکھی ہوئی چیزوں کو ٹوٹل ٹوٹل
 کر دیکھنے لگی۔

کمرہ روشن کر لو طوسیہ۔ تاکہ اطمینان پوری کر سکے۔ اچانک جیل
 کی آواز کمرے میں گونجی۔ وہ شاید بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔
 طوسیہ نے گھبرا کر بستر کی جانب دیکھا

”جب لوگ سمجھتے ہیں ان کوئی نہیں دیکھ رہا۔ تو بھی میں دیکھ
 چکا ہوتا ہوں۔“ جیل نے شام کے وقت کی جانب اشارہ کرتے
 ہوئے کہا۔

طوسیہ خاموش کھڑی رہی وہ پسینے میں مبتلا ہو رہی تھی۔ اندرت
 از رختے نے ایک عجیب سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔
 اور وہ طوسیہ.... جیل نے گہری سنجیدگی ساتھ کہا۔

طوسیہ بے اختیار اس کے قریب پہنچ گئی۔
 ”جج... ججی میں تو.....“ اس نے کچھ کہنا چاہا۔
 ”بیٹھ جاو“ جمیل نے قریب رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا
 وہ بے ساختہ جمیل کی ہدایت پر عمل کرتا ہوئی اس کرسی پر
 بیٹھ گئی۔

”اب بولو... کیا چاہیئے“ جمیل نے تکیہ سے سر اٹھاتے ہوئے کہا
 ”گلاب... کچھ نہیں... طوسیہ نے غویت کے ساتھ کہا۔
 پھر اس طرح کمرے میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اک بھی گئی
 تھیں.. تو جوہوں کی اسند کیا کھڑکھڑ رہی تھیں۔ جمیل رک رک
 کر بولا۔

”اپنی ڈائری ڈھونڈ رہی تھی“ طوسیہ نے خود پر قابو ہاتے ہوئے کہا
 ”یہ اپنی ڈائری... جمیل نے تکیہ کے نیچے سے سیاہ رنگ
 کی ڈائری نکال کر اس کو دی۔
 ”کچھ اور“ چند لمحوں کے وقفے میں نے کہا۔ اور فوراً طوسیہ
 کی جانب دیکھنے لگا۔

”اور کچھ نہیں طوسیہ نے جھپٹتے ہوئے کہا۔
 ”سودھی کیوں نہیں تمہیں“ جمیل نے استفسار کیا۔

”بس یونہی۔۔ مگر آپ کیوں نہیں گئے؟ طوسیہ ہنگامی سٹیجی
 ”بس یونہی۔۔۔۔۔“ جمیل نے نقل اتاری۔
 اور پھر چند لمحوں کے توقف سے بولا۔
 ”میں سمجھ رہا تھا کہ تم مودی گئی ہو۔۔۔ مگر شاید تم یہ سمجھیں کہ
 میں گیا ہوں۔ لیکن دونوں موجود ہیں۔“
 طوسیہ خاموشی کے ساتھ ڈائری کے صفحات پلٹی رہی۔ جمیل
 کی نظر اس پر مرکوز تھیں۔
 ”طوسیہ“ جمیل نے اچانک گھمبیرے لہجے میں کہا۔
 ”میں نے ایک بار اس سے قبل بھی کہا تھا کہ یہ سوگوار کی کالبادہ
 آتا پھینکو۔۔۔ اور مجھے اپنے غموں میں شریک کر لو۔ میں تمہیں غم
 دیکھنا چاہتا ہوں“ میری تمنا ہے۔۔۔ طوسیہ۔۔۔ کہ تم ہمیشہ اسی طرح
 میرے سامنے بیٹھی رہو۔ اور میں تمہیں اسی طرح دیکھتا رہوں۔
 تمہاری پرستش کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ مگر نہ جانے کیوں تمہیں میری
 محبت کا یہ جبر قبول نہیں نہ جانے کیوں تمہیں میری عبادت
 سے کوفت ہوتی ہے۔

میں تمہاری پوجا کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ تم دھتکار دیتی ہو۔
 میں تمہارے چرن چھونا چاہتا ہوں۔ تم ٹھکرا دیتی ہو شلید

ہنیں جانتی کہ تم ہی میری کلینا ہو۔۔۔ جمیل نے ایک طویل سانس
لیتے ہوئے افسردہ سے پہنچ میں کہا۔

”اچھا۔۔۔ میں چلوں اب۔۔۔“ طوسیہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

جاؤ۔۔۔ خدا حافظ۔۔۔ جنہیں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے
دھیرے سے کہا۔

طوسیہ دروازے کی طرف بڑھی اور مڑ کر ایک لمحے کیلئے جمیل
کی جانب دیکھا پھر دوسرے لمحے وہ دروازے سے باہر تھی۔

”تم کسی مایوس مصور کا شاہکار گنتی ہو۔“

جمیل دھیرے سے بڑبڑایا اور سر ہانے لگی ہوئی کتابوں میں
سے شیلے کا کلام اٹھا کر پڑھنے لگا۔ شاید اس لئے کہ تنہائیوں کی
ساکھتی کتابیں ہی تو ہوتی ہیں۔

اتوار کا روز تھا۔ شام ڈھلتی جا رہی تھی۔ وہ سب گھر پر
 ہی موجود تھے... پھر رات کا کھانا کھانے کے بعد سب اینگ
 روم میں آگئے۔

رات بے حد سرد تھی... کمرے کے دروازے اور کھڑکیاں
 بند تھیں.... آتش دان سلگ رہا تھا جس سے کمرے کی فضا
 قدرے گرم تھی۔

مگر تب بھی طوسیہ سفید کوٹ کندھے پر اور رہا تھ کوٹ کی جیبوں
 میں ڈالے دھیرے دھیرے دانت کٹنا رہی تھی۔
 ڈرائینگ روم کے دوسرے سرے پر سیم شہاب اور شاہد سیم
 بیٹھی تھیں، فرناز اور نیلا تاخیر لیکر بیٹھ گئیں تھیں۔ عامر بچے ہاتھ
 رہا تھا۔

اور جمیل ایک کھڑکی کے پٹ کھول رہا تھا۔ دوسرے
 ایک سر دھوا کا تیز جھونکا آیا۔ طوسیہ چونک اٹھی... بے ساختہ

اس کی نظریں کھڑکی کی جانب اٹھ گئیں۔ وہاں جیل کھڑانہ معلوم اندھیرے میں کیا تلاش کر رہا تھا۔

”طوسیہ جی... کھیلو گی؟ اچانک عامر نے طوسیہ کو مخاطب کیا۔
 ”نہیں بھئی بچہ سردی ہے جیب سے ہاتھ نکالنے کو جی نہیں چاہ رہا۔“ طوسیہ نے حوا بابا عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 اور پھر چند لمحوں کے وقت سے وہ اٹھ گئی۔

دھیرے دھیرے اس طرف بڑھنے لگی جہاں جیل کھڑا تھا۔
 پھر ریل کے قریب پہنچ کر وہ اس کی بستی کی طرف کھڑی ہو گئی۔
 مگر جیل جو اپنے خیالات میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ اس کو
 طوسیہ کی آمد کا احساس تک نہ ہوا۔

اچانک ہوا کا ایک سرد جھونکا آیا۔ جیل نے کانپ کر
 جھٹکی جیبوں میں ہاتھ ٹھونس لئے۔

”جیل صاحب!“ طوسیہ نے خلوص سے اس کے شانے پر
 ہاتھ رکھ دیا۔۔۔ اس کو جیل کی حالت پر شاید ترس آ گیا تھا۔
 ”ہوں۔ جیل نے بغیر مڑے ہنکا رہا تھا۔

”بچہ شکی ہے... کھڑکی سے ہٹ جلیجئے۔“ طوسیہ نے
 آہستگی سے کہا۔

”ہاں طوسی... بہت سردرات ہے۔ ہر چیز سرد ہے۔ کہیں
 بھی گرمی نہیں... اب دل بھی سرد ہو گئے ہیں... طوسیہ تم بھی
 تو رہو... بہت سرد... وہ خوابناک سی آواز میں بولا۔
 طوسیہ ٹھہر سی گئی۔ اور خود پر قابو پاتے ہوئے اہستگی کے
 ساتھ مڑ گئی۔

”طوسیہ... بیٹی... کافی پی لو... بیگم شہاب نے اس کو
 ادا نہ دی۔

طوسیہ خاموشی کے ساتھ ان کے قریب پہنچ گئی پھر کافی کا کپ لیتے
 ہوئے آتش دان کے قریب آ بیٹھی... چند لمحوں بعد جھیل بھی اس کے
 قریب اکھڑا ہوا۔

طوسیہ نظریں جھکائے کافی پینے میں مشغول تھی۔ جھیل سکی کرسی کے
 پتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ایک دوسری کرسی پر بیٹھ کر دھیرے دھیرے ایک
 انگریزی گانا گانے لگا۔

طوسیہ بے نیازی کے ساتھ بیٹھی بدستور کافی پینے میں منہمک تھی
 گانے کا ایک لفظ جھیل کی دھڑکن بن گیا تھا۔ وہ طوسیہ کی جانب
 بڑی افسردہ سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ گانے کا مطلب کچھ اس
 طرح تھا۔

میرے محبوب میں تمہیں چاہتا ہوں... مجھے تمہاری ضرورت ہے
تم میری سب سے بڑی تنہا ہو۔

میرے محبوب تم مجھ پر توجہ... نہیں دیتے۔
تمہیں میرے دل کی حالت کا احساس نہیں۔
لیکن ایک دن جب.....

میں... سلگ سلگ کر
ختم ہو جاؤں گا... تو تم... کو
اپنے کئے کا احساس ہو گا....
پھر تم میری ضرورت محسوس کرو گی۔
اور مجھے یاد کرو گی اور رہو گی۔

میرے محبوب.... مجھے تمہاری ضرورت ہے۔
”جھیل بیٹھے“ اچانک عام نے مانگ لگائی۔

”ان لڑکیوں سے اگر سمجھو، سلسل بے ایمانی کر رہی ہیں۔
یعنی جھک کر اکیلا جان کر لوٹ رہی ہیں

”ارے جاؤ...“ نیلا نے پتے پھینک دیئے۔ ”تم خوشی کا روبرو
جھیل آپ کھیلے!...“ فرناز نے جھیل کے قریب آنے پر سنبھلا
ہوں... جھیل نے جھیل پلکیں کھلیں اور بولا... کھیل تو رہا ہوں

مگر بازی بار رہا ہوں جیت نہیں رہا.... " انداز کھوٹا کھویا سا تھا۔
 " کہاں تمہو... جمیل ماں... " عامر بے ساختہ ہنس پڑا۔ طوسیہ
 گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
 فرناز نے چھٹی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اور حلق
 سے تھوک نکل کر رہ گئی۔

ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ " طوسیہ نے جمیل کی طرف دیکھتے
 ہوئے جلدی سے بات بنائی۔

" دیر تک کھڑکی کے قریب کھڑے رہے ہیں۔ اس لئے حرارت
 بڑھ گئی ہے۔ "

بھینا... اپنے کمرے میں جا کر آرام کیجئے نا... آگے... بیلا
 نے جمیل کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے جلتے ہوئے کہا۔
 طوسیہ جمیل لے جانے کے بعد فوراً تک سر تھا مے سوچتی رہی ہیں
 میں اس کو کیوں دکھ دیتی۔

" مس طوسیہ " عامر نے اس کو چونکا دیا، کیا سوچ رہی ہیں؟ "
 " کک... کچھ نہیں... طوسیہ نے کہا۔ اور کھڑی ہو گئی۔
 " صاحب کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے عامر شرارت آمیز نظروں
 سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے۔ " بے تکلفی کے ساتھ بولا۔

”ہم کو بھی بتائیے کہ آپ اور جمیل صاحب کس مرض میں مبتلا ہیں
 بیزار بیزار سے ... گم سم ... ہر وقت سوچتے رہنا۔
 دونوں کو ایک ہی مرض ہے۔ ... اگر جمیل سے پوچھ کر کیا سوچ
 رہے ہو۔۔۔ تو کہتا ہے۔
 ”کچھ نہیں۔“

”آپ سے استفسار کیا تو بھی۔۔۔۔۔۔“
 ”کچھ نہیں؟۔ اپنی محدود عقل میں تو کچھ نہیں آتا۔ عام
 نے رگڑ کر کہا۔
 بیکار باتوں پر اتنی گہرائی سے سوچنا ہی حماقت ہے طوسیہ
 باہر نکلتے ہوئے بولی
 عامر پلکیں پھڑپھڑا کر رہ گیا۔

طوسیہ ڈرائیونگ روم سے نکل کر اپنے کمرے کی جانب
 چل پڑی۔ پھر جمیل کے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک
 لمحے لمحے لڑکھائی۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ ہسٹلی کے ساتھ دوڑ
 پھڑپھڑے ہوئے پردے کو اٹھا رہی تھی۔

جمیل اس کو سنانے ہی سونے پر دراز نہ دیکھائی دیا۔ وہ بیٹھا
 اندر آگئی۔

وہ بچوں کی مانند منہ پر کشن رکھے سو گیا تھا۔ طوسیہ نے آگے
بڑھ کر دھیرے سے کشن اٹھایا... اور پھر اس کے چہرے کی جانب
دیکھتی رہ گئی۔

جھیل کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔ چہرے پر عجیب یاس زدہ سے
تاثرات تھے۔

طوسیہ کو نہ جانے کیوں ایک انجانے دکھ کا احساس ہوا...
دل پر ایک چوٹ سی لگی۔

”جھیل...“ وہ آہستہ سے خود بخود ڈرڑی اُٹائی۔
اور پھر اس نے جھیل کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر حرارت کا اندازہ کیا۔
”کیا مصیبت ہے... دس بار کہہ دیا نہیں کھاؤں گا دوا...
پھر بھی ستائے جاتی ہو۔ بھاگ جاؤ... نبیلا...“ جھیل بغیر
آنکھیں کھولے بولا۔

”میں ہوں جھیل... طوسیہ... نبیلا نہیں...“ طوسیہ نے
آہستہ سے کہا۔

”کیا ہے“ جھیل نے آنکھیں کھولیں
”آخر دوا کیوں نہیں استعمال کی“ طوسیہ نے بدستور آہستہ
بہجے میں استفسار کیا۔

”ہاں میں دو انہیں پیوں گا... جھیل ضد سے ہلا۔
 ”اچھا اٹھیے.. بستر سوئیے جا کر۔“ وہ شفقت بھرے لہجے
 میں بولی۔

”اوں ہوں... کیا مصیبت ہے.... وہ جھلا کر بستر میں
 گھس گیا۔“ جاؤ اب تو بچیا چھوڑو، ہلکی سی کراہٹ کے ساتھ اس کے
 منہ سے نکلا۔

”ابھی نہیں... طوسیہ نے بخار کی گولیاں میز سے اٹھاتے ہوئے
 کہا... پہلے ایک گولی کھائیے۔
 یہ لہجے... چند لمحوں کے توقف سے وہ پانی اور دو ا
 نے کر اس کے قریب پہنچ گئی۔

”کون سے جنم کا بدلہ لے رہی ہو طوسیہ۔“ جھیل نے شکایت
 بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

”آنے والے جنم کا“ اس نے خفیف سی مسکراہٹ کیساتھ
 آہستہ سے کہا۔

جھیل نے اس کے اصرار پر دوا کھائی۔ اور منہ پھر کر لیٹ گیا
 طوسیہ نے آکے بڑھ کر کبلی جھیل پر ڈالا... اور لائٹ آف کر دی
 پھر چند لمحوں تک وہ کھڑی کچھ سوچتی رہی۔ اس وقت اس کے

چہرے پر عجیب سے تاثرات مسلط ہو کر رہ گئے تھے.... اور ان چند لمحات بعد وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔

صبح بے حد خوشگوار اور دلکش تھی۔ طوسیہ تلاوت کے بعد کچھ جگر کھڑکی میں اکھڑی ہوئی۔ گلاب کے نگرے ہوئے پھول دیکھ کر اس کا دل چل گیا۔

نارٹ گون کے بٹن لگاتی ہوئی وہ اس دروازے کو کھولنے لگی جو باغ میں کھلتا تھا۔ پھر جونہی اس نے دروازے سے باہر قدم نکالا وہ ٹھنک کر رُک گئی۔

جھیل سیڑھیوں پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے درمیان سگریٹ پھنسا ہوا تھا۔ اور ہاتھوں میں گلاب کے بہت سے پھول تھے وہ پھولوں کو ترتیب دے کر کچھ لکھ رہا تھا۔

طوسیہ نے جھک کر دیکھا..... طوسیہ کے نام کا پہلا حرف "ٹی" تھا۔

طوسیہ نے ناراضگی سے جیل کی جانب دیکھا اور پھولوی۔
 ”رات آپ کو بجا رہا تھا۔ اور اتنی صبح آپ ٹھنڈی میاں یہاں بیٹھے

ہیں۔“

مگر جیل بدستور پھولوں سے کھلتا رہا۔۔۔ اور اس سر کے
 ہونٹوں پر ایک طنز یہ سنی مسکراہٹ نمودار ہو کر معدوم ہو گئی تھی
 طوسیہ ہنسنے آگے بڑھ کر بیروں سے پھولوں کے حروف کو
 بے ترتیب کر دیا۔ اور گہری سنجیدگی کے ساتھ بولی۔

”پتھر سے سرگراں انا نادانی ہے۔ جیل صاحب طوسیہ محبت کیلئے
 نہیں نفرت کے واسطے پیدا ہوئی ہے۔ ٹھوکر مار کر کسی چیز کو ٹھکڑے لگانے
 سے ٹھوکر مارنے والے کی توہین ہوتی ہے۔“

”مجھ میں اتنی دلچسپی نہ ہو کہ میں خود سے بھی نفرت کرنے لگوں۔“

تم بے حد کٹھور ہو طوسیہ۔۔۔۔۔ جیل نے افسردہ سے لہجے میں کہا

”ہاں جیل۔۔۔ میں کٹھور ہوں۔۔۔ خود پر بھی ظلم کرتی ہوں

۔۔۔ اور دوسروں سے بھی جھاؤں کی طالب ہوں۔۔۔ مجھے پیار

کی نہیں مزید نفرت کی ضرورت ہے۔۔۔ مجھے پیار کی نہیں مزید جفا

کی ضرورت ہے۔۔۔ مجھ سے پیار مت کرو ڈاکٹر۔۔۔ کہ میں تمھارے

پیار کے قابل نہیں۔۔۔ میرے راستے سے ہٹ جاؤ ڈاکٹر کہ وہ

گہرے تاریک ہیں... جاؤ خدا کے واسطے چلے جاؤ... تمہاری کہنا
 بے حد بھانٹ ہے... ”طوسیہ منہ پھیر کر شمسک اٹھی۔
 ”یوقون لڑکی“ جمیل نے پیار سے بھرپور لہجے میں کہا۔
 روشن راستوں سے منہ پھیر کر اندھیروں میں چل پڑنا تھا
 ہے۔ آؤ کہ میں تمہیں وہ یہیں دیکھاؤں... صوفشاں براستوں
 روچنا بس کراؤں... ان راستوں سے جہاں محبت کے پھول کھلتے ہیں
 تم میری محبت میرا رمان ہو طوسی... تم میری حیات
 میرا خیال ہو طوسی... تم میرا ساتھ دو... میری غلطی کو
 معاف کر دو۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میری زندگی ویرانیت
 کا شکار ہے... اور تم میری زندگی کی ویرانیت کو دور کر سکتی ہو طوسیہ
 تمہیں ایک ساتھی کی ضرورت ہے اور مجھے بھی... تم کو ایک
 مستقل سہارا درکار ہے اور میں بھی اس سہارے کا طلبگار ہوں۔
 آؤ طوسی... ہمیکہ ساتھ۔ میری مقدس محبت کا دامن
 تھام کر... دھیرے دھیرے آگے بڑھو...
 جمیل کی آواز جذبہ باقی ہو گئی طوسیہ اس کی انگلیوں میں
 دیکھتی رہی... اور پھر اس کی پلکیں جھپک گئیں۔
 دھیرے سے اس نے جمیل کے کندھے پر ہتھکا دیا بے اختیار

اس کی آنکھوں سے آنسو ڈھلکنے لگے۔ مگر... ذہن پرسکون ہو گیا تھا۔

پچھلی... جیل نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ بچوں کی طرح روتی رہتی ہو... زندگی اسی کا نام ہے... جیل نے پگھلیں پھڑپھڑاتے ہوئے کہا۔

طوسیہ پرسکون انداز میں اس کے کوٹ کے بٹنوں سے کھیلتی رہی پھر وہ اچانک تیزی سے سر اٹھا کر جیل کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی نظروں کے تاثرات دیکھ کر جیل گھبرا گیا۔ اس کا دل ڈرنے لگا تھا... اس کو ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے طوسیہ کہہ رہی ہو۔

میری ماں کے قاتل... کیا تم مجھ سے محبت کی توقع کر کے حماقت نہیں کر رہے۔ میں تمہیں عمر بھر معاف نہیں کروں گی۔ اچانک طوسیہ وہاں سے اٹھ کر گئی۔ جیل کچھ نہ سمجھ سکا وہ جاچکی تھی۔ جیل دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔

اور پھر جب اس نے دوپہر کے کھانے پر طوسیہ کو موجود نہیں پایا تو سوالیہ نظروں سے نیلا کی طرف دیکھنے لگا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے پوچھ رہا ہو۔

”طوسیہ کہاں ہے۔“
 ”طوسیہ نے اپنے ہی کمرے میں کھانا منگایا ہے بیٹا
 اس کو بتایا۔“

ہمیل کے حلق میں نوالہ کھنس گیا۔ طوسیہ صبح ناشتہ پر بھی نہیں
 آئی تھی۔ یقیناً وہ میرے سامنے نہیں آنا چاہتی.... آخر کیوں؟
 طوسیہ کی شخصیت اس کے لئے ناقابل فہم ہوتی جا رہی تھی۔
 شام کو ہمیل نے کلینک جاتے ہوئے اپنی امی سے کہا۔
 ”ممی... رات کے کھانے پر برا انتظار مت کیجئے گا۔ کیونکہ

میں دیر میں لوٹوں گا...“
 ”کیا بات ہے بیٹا... بید بکھے بکھے سے دکھائی دے رہے
 ہو... طبیعت تو ٹھیک ہے نا“ بیگم شہاب نے اس کی
 جانب بخور دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں تو ممی... میں تو ٹھیک ہی ہوں ہمیل نظریں چراتے
 ہوئے بولا۔“

بیٹے صحت کا خیال رکھا کرو۔ اتنی سی عمر میں اس قدر
 محنت بھی درست نہیں۔ شاہدہ بیگم نے ہلکی پھر ٹھٹھاٹے ہو کر کہا
 ”آن“ تو کیا بوڑھا پلے میں محنت کی حاجت ہے... انہی

... اور میں تو پہلے ہی سخت کاہل ہوں : جمیل خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”جی ڈیر... جمیل نے میں نہ تو کلینک کی سیرکرائی اور نہ ہی کہیں گھمایا... فرناز اپنی امی مخاطب کیے لہری۔

”مجھے تو بدلے بدلے سے سرکار نظر آتے ہیں“ عمار نے شرارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”اچھا بھئی اب میں ملتا ہوں... تم لوگ تفرق کرو... جمیل نے بدستور خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا... اور گھر سے نکل گیا۔

جمیل چلا گیا۔ تمام دن وہ غائب رہا۔ رات کو جب طوسیہ نے کھانے پر ایمل کو نہیں پایا۔ تو اس کو شدت سے جمیل کی کمی محسوس ہوئی۔ کھانے کے بعد سب ڈرائنگ روم میں آئے۔ کافی کا دوور چلتا رہا۔ مگر طوسیہ ایک کھڑکی میں کھڑی جمیل کا غلطاً کرتی رہی۔ بار بار اس کی نظریں پھاٹک کی جانب اٹھتیں... اور پھر ناامید سی ہو کر خود بخود جھک جاتیں۔

کافی رات ڈھل گئی۔ سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ مگر بھی وہ جمیل قدموں سے اپنے کمرے کی طرف آگئی۔

مجاز کا دیوان چھوٹی ٹیبل سے اٹھا کر وہ صوفے پر نیم دراز ہو گئی
 اور پھر نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔
 پھر تقریباً رات کے دو بجے اس کی آنکھ بے اختیار کھل گئی۔ کھڑکی
 کا پردہ اٹھا کر اس نے جھیل کے کمرے کی جانب دیکھا۔

کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے۔ وہ اب تک
 نہیں آیا۔ ”طوسیہ بڑبڑائی۔۔۔۔۔ سردیوں کی ویران راتوں میں نہ
 نہ جانے کہاں بھٹک رہا ہو گا، اسکی رگ و پے میں تشویش کی
 ایک لہری اٹھی۔

اچانک وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آئی اس کے قدم نبیلا
 کے کمرے کی جانب اٹھ رہے تھے۔ شاید وہ نبیلا سے جھیل کے
 متعلق کچھ معلوم کرنا چاہتی تھی۔

نبیلا اطمینان سے سو رہی تھی

نبیلا.... طوسیہ نے اس کو اٹھایا۔

”کیا ہے؟“ نبیلا نے نیند سے بوجھل آواز میں استفسار کیا
 ”جھیل اب تک نہیں آئے۔“ طوسیہ نے جھجکتے ہوئے کہا
 ”دونج گئے۔“

”ارے چوڑو جھیل کی فکر۔۔۔ کہیں کلب میں چپک گئے

ہوں گے۔ جاؤ سو جاؤ، بیلا کروٹ بدل کر بولی۔
 طوسیہ کا دل نہ مانا... وہ باہر نکل کر برآمدے کی سیڑھیوں
 پر بیٹھ گئی۔

سردی اپنے شباب پر تھی... خنکی میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا
 تھا۔ وہ سرد ہوا کے اثر سے کانپ رہی تھی۔ دوسرے تاریکی
 نے ایک عجیب سا ہسپناک ماحول پیدا کر دیا تھا۔

نہ جانے کیوں اس کو ایک عجیب سی گھٹن کا احساس ہو رہا
 تھا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر وہ دھیرے دھیرے
 رہنے لگی اور اسی لمحے کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹ اس پر پڑی۔

”کون بیٹھا ہے یہاں؟“ جمیل کی آواز سنائی دی۔ طوسیہ
 تیزی سے ستوں کے پیچھے ہو گئی۔

اس نے سیاہ شال کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ لیا۔ جمیل
 گاڑی سے کود کر تیزی سے ستوں کی طرف بڑھا۔

طوسیہ گھبرا کر سامنے آگئی اس نے سوچا کہ بین جمیل اس کو چہرہ
 سمجھ کر گردن نہ دبوچے۔

”میں ہوں ڈاکٹر! طوسیہ، اس نے اپنے سواں پر قابو پاتے
 ہوئے کہا۔

”اوہ“ جمیل پیچھے ہٹ گیا۔ اور اس کو وہیں چھوڑ کر کمرے کی طرف بھاگا
 طوسیہ کا دل بے اختیار دھڑک کر رہ گیا۔۔۔؟

”جمیل نے مجھ سے بات کیوں نہیں کی؟۔۔۔۔۔ اس نے
 یہ بھی نہ پوچھا کہ اتنی رات گئے تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ اگر کسی کا
 انتظار ہے تو وہ کون ہے؟ طوسیہ نے سوچا۔۔۔ اور اس
 طرف دیکھنے لگی جدھر جمیل گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسا معلوم
 سی حسرت نمایاں تھی۔۔۔“

تھوڑی دیر تک طوسیہ ساکت و صامت وہیں کھڑی رہی اور
 پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھی اور جب وہ انچل سے بجھکی پلکیں
 پونچھتی ہوئی جمیل کے کمرے کے قریب سے گزری۔ تو جمیل نے
 سنگار منہ سے نکالتے ہوئے اس کو مخاطب کیا۔

طوسیہ منہ پھیر کر آگے بڑھنے لگی۔
 ”ایک لمحہ میرا انتظار اس طرح مت کیجئے گا۔ ورنہ آنسو کریم
 اور آپ میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔“ جمیل نے خفیف سی
 مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”میں آپ کا انتظار نہیں کر رہی تھی۔“ طوسیہ کھٹ پڑی۔
 ”میرا نہیں بھئی ڈاکٹر جمیل ہی کا سہی“ جمیل نے آگے بڑھ کر کہا

طوسیہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آگئی جمیل بھی اس کے ساتھ ہی آگیا تھا۔ کمرے کے دروازے پر رک کر اس نے پوچھا
فرناز کیسی ہے ؟ -

”مجھے نہیں معلوم۔“ طوسیہ نے منہ بنا کر کہا: ”بہت دل چاہ رہا ہے تو دیکھ آئیے اپنے ہی کمرے میں سو رہی ہوگی۔“
”آپ کیوں نہیں سوئیں ؟“ جمیل نے گہری سنجیدگی کیسا دکھایا
”اچھا صاحب... شب بخیر عزم تو چلے سونے کے لئے۔“ جمیل
نے کچھ سوچتے ہوئے ہاتھ ہلا کر کہا۔ اور مڑ گیا... پھر اچانک چند
قدم چل کر وہ پلٹ گیا۔

”ارے ہاں... سنا ہے... اس طرف بارش ہوئی تھی۔
... کیا واقعی...؟ اس نے شہزادت آمیز لہجے میں استفسار کیا
”بارش... تو نہیں ہوئی۔“ طوسیہ نے بغیر کچھ سمجھے جلدی سے کہا
”مگر آپ کی آنکھوں سے تو لگ رہا ہے کہ ہوئی تھی۔“ جمیل
ہونٹ سیکڑتے ہوئے کہا -

”مجھے نہیں معلوم؟“ طوسیہ کو سنسی آگئی
”کیوں رونی تھیں؟“ جمیل اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا
طوسیہ گہرا سی گئی۔ پلکیں جھپکا کر اس نے سوچا... خود ہی تو

رُلا یا تھا۔ اور پھر انجان بن کر دریافت بھی کرتے ہو کہ کیوں دیکھتیں؟... کٹھنور... ایک بار پھر اسکی پلکیں بھیگ گئیں۔
 ”طوسی...“ جمیل نے درد بھرے لہجے میں کہا: ”مت رویا کرو... مجھے بید تکلیف ہوتی ہے تم کو سو گوار دیکھ کر...“
 طوسیہ کی سسکیاں بے اختیار تیز ہو گئیں۔

”پہلی“ جمیل کی آواز بھرا گئی۔ میں تو اس لئے زیادہ تر اپنا وقت باہر گزارتا ہوں۔ تاکہ تم خوش رہ سکو۔ تمہیں کیا معلوم باہر میں کس طرح اپنے وقت کے ساتھ کھیلتا ہوں؟
 رونا تو مجھے چاہیئے طوسیہ کہ میری تمام تر توجہ کے باوجود بھی تم سو گوار ہی رہتی ہو۔ میرے خلوص سے سزا رہو جاتی ہو میرے پیار سے ناراض ہو جاتی ہو... تم خود کو نہ جانے کیوں مجھ سے جدا سمجھتی ہو...“

اب خاموش ہو جاؤ... خاموش ہو جاؤ... وہ بچوں کی مانند اس کو ہنسنے لگا۔

اور جب طوسیہ نے اس کو ویران سی نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ ضبط نہ کر سکا۔ اس کو ایسا محسوس ہوا... کہ وہ بھی بچوں ہی کی مانند پھوٹ پھوٹ کر رونا یا شروع کر دے گا۔

” اچھا اب سو جاؤ .. خدا حافظ “ اس نے ہاتھ ملے اٹھا
 کرتے ہوئے کہا۔ اور تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔
 طوسیہ دیر تک ہلتے ہوئے پردے کو دیکھتی رہی اور
 پھر دیوان پر نیم دراز ہو کر جھیل کے متعلق سوچتی رہی۔
 اس کا دل اس وقت خود اس سے ناراض تھا۔ طوسیہ
 عجیب سی الجھنوں میں گرفتار تھی؟ دماغ جھیل سے منکر تھا
 اور دل جھیل کا پرستار۔ جھیل کی جلتی ہوئی نگاہیں اس
 کے ذہن میں محفوظ ہو کر رہ گئیں تھیں.....“

دوسرے دن کلینک جانے سے پہلے جمیل طوسیہ کے کمرے میں آیا۔ طوسیہ ہاتھ روم میں تھی۔ جمیل وقت گزارنے کے لئے اسکی رائیٹنگ ٹیبل پر رکھی ڈائری کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ ایک جگہ لکھا تھا۔

”تم ہر وقت میرے خیالات پر چھائے رہتے ہو۔“

”تم میری کلینک میرا تصور ہو۔“

”کیا ہو رہا ہے؟“ طوسیہ باہر نکلتے ہوئے بولی۔

”سوچ رہا ہوں کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔ چو آپ کے خیالوں

اور خوابوں میں دن رات رہتا ہے۔“ جمیل نے خفیف سی سکرا کے ساتھ سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

”اچھا تو میری ڈائری پڑھی جا رہی تھی۔“ طوسیہ نے بھی ایک دلکش سکرا سٹ کے ساتھ کہا۔

”ہاں تم نہیں تھیں۔ تو تمھاری ڈائری کا مطالعہ کرنے لگا۔“

اور ہاں میں یہ کہنے آیا تھا۔ کہ اگر تم کو دس بجے وقت ملے تو میری کلینک آ جانا مجھے تم سے کچھ کہنا ہے.... آؤ گی؟ جمیل نے پیار بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا ”ڈرو نہیں... تمھاری جیر پھاڑ نہیں کروں گا :۔ جلدی بولو... آؤ گی نا“ جمیل نے شرارت بھری نظر اس پر گاڑتے ہوئے کہا۔

”کہہ نہیں سکتی :۔ طوسیہ دھو رہا جواب دیگر خاموش ہو گئی۔“ بہر حال میں انتظار کروں گا۔“ جمیل بولا اور اٹھ گیا... طوسیہ کی استفہامیہ نظر اس کی جانب اٹھی ہوئی تھیں جمیل کے جانے کے بعد طوسیہ سوچتی رہی۔ پتہ نہیں کیا کہنا چاہتا ہے جمیل۔ کونسی ایسی بات ہو سکتی ہے۔ جس کے لئے وہ وقت دے گیا ہے۔ میں تو نہیں جاؤں گی :۔...۔۔۔ پھر وہ کام میں لگ گئی۔

مگر دس بجے وہ غیر ارادی طور پر کلینک کی طرف چل پڑی اور جب وہ سوا دس بجے کلینک پہنچی تو جمیل اس کا انتظار کر رہا تھا۔

”مم۔ میں تو یہ بتانے آئی تھی۔ کہ میں نہیں آؤں گی...۔۔۔

طوسیہ نے چونکے ہوئے کہا۔
 "تو جاؤ اب"۔ جمیل نے مسکراتے ہوئے جوابا کہا۔
 طوسیہ جانے کے لئے مڑی تو جمیل بھی اس کے پیچھے باہر گیا
 "آؤ میں چھوڑ آؤں" جمیل نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا
 طوسیہ کو اچانک جمیل سے پہلی ملاقات کا منظر یاد آ گیا
 "ڈاکٹر اس نے بے چین سی نگاہوں سے دیکھ کر دبیرے سے
 جمیل کے ساختہ چونک پڑا۔ اس کی استغہامیہ نظریں، طوسیہ
 کی جانب اٹھ گئیں۔ مگر طوسیہ کی نگاہیں تو نہ جانے کن خیالات کا
 تعاقب کرنے لگیں تھیں۔

رہستہ بھر تو جمیل سی خاموشی رہی اور پھر وہ جمیل کی آواز
 پر ہی چونکی۔

"اب باہر تشریف لے آئیے محترمہ!"

طوسیہ نے بوکھلا کر نظریں اٹھائیں۔ گاڑی ایک شاندار
 ہٹل کے پورٹیکو میں کھڑی تھی۔
 طوسیہ سمجھ نہ سکتے ہوئے اتر آئی۔ جمیل گاڑی کو پارکنگ
 میں کھڑی کر کے آیا۔

"آؤ!" وہ اس کے قریب پہنچ کر بولا۔ پھر وہ دونوں ہٹل

کے قصد دروازے کی جانب چل پڑے۔
چند قدم چل کر اچانک وہ رگ گئی۔ جیل کی جانب تنہا
نظروں سے دیکھا اور بولی۔

”کہاں لے جا رہے ہو۔“
”کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔“ جیل نے گہری سنجیدگی
کے ساتھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
”میرا یہ مقصد نہیں تھا۔“ طوسیہ نے دھیرے سے کہا۔ اور

چل پڑی۔
”میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا طوسیہ.... اس لئے
یہاں آگیا۔ اطمینان سے اس جگہ باتیں ہو سکیں گی۔“ جیل نے
کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”آخر پتہ تو چلے وہ باتیں کس قسم کی ہیں۔“ طوسیہ نے جرح کی
”کیا یہاں پر ہی شروع ہو جاؤں۔“ جیل نے سکر اکر کہا۔
اور طوسیہ سر جھکا کر خاموش ہو گئی۔

پھر ہوٹل کے ایک خوبصورت سے کیمین میں کافی کے دوران
جیل نے طوسیہ کی جانب دیکھتے ہوئے گہمیر دھاری آواز میں کہا
”تم کیا چاہتی ہو طوسیہ.. تمہارے دل میں کیا ہے؟“

... اور طوسیہ نے سادگی سے کہا۔
 اہل بے اختیار ہنس پڑا۔

”یہ تو میں بھی جانتا ہوں... میرا مقصد احساسات تھا
 یعنی تمہارے خیالات احساسات میرے متعلق کیا ہیں؟“
 ”یہی کہ آپ ایک شریف آدمی ہیں“ طوسیہ نے گہری سنجیدگی
 کے ساتھ کہا۔

”اٹے لٹے جواب نہ دو... طوسیہ خدا کے لئے سنجیدگی
 اختیار کرو۔“ اہل نے مصنوعی جھنجھلاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے کہا
 ”ہیے آپ بتائیے کہ مقصد کیا ہے؟“ طوسیہ نے بدستور گہری
 سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

”میرا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ کب تک آخر تم مجھے اپنی
 باتوں کے ایندھن میں سلگاتی رہو گی۔۔۔؟“
 کبھی میں تمہاری باتوں سے اور خلوص سے یہ سمجھنے لگتا ہوں
 کہ تم کو مجھ سے محبت ہے۔ مگر دوسرے ہی لمحے تمہاری باتیں
 حقارت اور بیزاری کا احساس دلاتی ہیں۔۔۔۔۔
 ”کبھی تو تم اتنی دیر ان نظروں سے دیکھتی ہو۔ کہ مجھے وحشت
 ہونے لگتی ہے۔ اور کبھی تمہاری مہم نگاہوں پر پیار آنے

لگتا ہے۔ آخر کیوں؟
 خدا کے لئے تصویب کے دونوں رخ نہ دیکھاؤ۔ کسی ایک
 ہی رخ پر اکتفا کرو۔۔۔۔۔ اپنے حقیقی روپ کو عیاں کرو و تاکہ
 میں کچھ فیصلہ کر سکوں۔؟

اور یہ کہ میں چاہتا ہوں تم کسی ایک کو اپنا سہارا چن لو
 تم کو ایک ساتھی کی ضرورت ہے نا۔ ایک ایسے ساتھی کی جو
 زندگی کے ہر نشیب و فراز میں تمہارے ساتھ چل سکے۔ اس کے
 لئے تم ہم دونوں میں سے کسی ایک کو جسے بہتر سمجھتی ہو منتخب کرو
 ”دونوں سے تمہاری مراد کیا ہے؟“ اچانک طوسیہ نے
 اس کو گھورتے ہوئے کہا۔

”میں اور عامر، جیل نے ایک عجیب سی سکرابٹ کیا تھا
 کہا۔۔۔“ عامر بھی تو تم کو پسند کرتا ہے نا؟“
 ”کرتا ہو گا۔۔۔ مگر میں تو نہیں کرتی۔ طوسیہ نے تیوریاں
 پڑھاتے ہوئے کہا۔

”خیر۔۔۔ دوسروں کے دل کا مجھے کیا معلوم ویسے یہ
 بھی ممکن ہے۔“
 ”جیل۔۔۔۔۔ اپنے الفاظ پر غور کرو“ طوسیہ نے بگڑتے ہوئے کہا۔

”کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“ جمیل بڑبڑایا۔
 ”سراسر“ اس نے سچے ہونٹ کا ایک گوشہ دانتوں سے
 دابتے ہوئے کہا۔

مگر اس پر تم زیادہ توجہ دیتی ہو۔ حالانکہ شاید تمہیں معلوم
 نہیں وہ نبیلا سے منسوب ہے۔

”مجھے معلوم ہے۔ مگر ان باتوں سے آپ کا مقصد کیا ہے؟
 ایسی باتیں کرنے کے لئے کیا آپ مجھ کو لے کر آئے تھے؟“ طوسیہ
 غصیلی آواز میں بولی۔

”باتیں تو تم سے بڑی سٹیھی سٹیھی کرنی تھیں مگر نہ جانے
 کیوں تم نے تلخی سی پیدا کر دی۔“ جمیل نے آہستہ سے کہا۔
 ”میں نے یا آپ... دوسروں کو اپنے حصہ کا الزام دینا
 کوئی آپ سے سیکھ، وہ غصے میں بھری ہوئی کھڑی ہو گئی۔
 بیٹھ جاؤ طوسیہ... یہ گھر نہیں ہے۔ بل دیے بغیر یہاں سے نہیں
 جاسکتے۔“ جمیل نے کہا۔

طوسیہ ناراض ناراض سی بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں نیچے جمکی
 ہوئی تھیں۔ اور وہ ناخنوں سے مین کی سطح کھرتق رہی تھی۔
 ”تو کیا میں غلطی پر تھا؟“ چند لمحوں کے توقف سے جمیل نے

استفسار نہ انداز میں کہا۔

”مجھے نہیں معلوم۔“

”تم بہت جلدی خفا ہو جاتی ہو۔ انسان کو اس قدر جذباتی بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ کم از کم بات تو ڈھنگ سے کر لینی چاہیئے“ جیل نے کہا۔

”اگر یہی باتیں کرنے کا ڈھنگ ہے جس طریقے سے آپ کر رہے ہیں۔ تو مجھے جناب اجازت دیجیئے۔“ طوسیہ طنز پر انداز میں بولی۔

مت بول کر دوسری... تم نے موڈ خراب کر دیا کتنی باتیں سوچ کر آیا تھا۔ سب بھول گیا۔ خدا کے لئے غصہ تھوک دو چاہے میرے منہ پر ہی۔ جیل نے معصومیت کیساتھ کہا۔

طوسیہ کو ماحول کی تلخی کا احساس ہوا اور وہ زبردستی مسکرائی وہ کچھ دیر اوڑھناں پر بیٹھی رہے۔ مگر کچھ جیل کوئی بات نہ کر سکا۔ طوسیہ بہت زیادہ سنجیدہ ہو گئی تھی۔

جیل نے بل ادا کیا۔ اور باہر نکل آئے پھر پارکنگ ٹیرٹیک کا راستہ خاموشی ہی کے ساتھ طے ہوا۔ جیل نے پارکنگ ٹیرٹیک سے گاڑی باہر نکالی۔ اور ایک طرف موڑ دی۔

”طوسیہ“ چند لمحوں بعد جمیل نے اسے پکارا۔
 ”فرمائیے“ طوسیہ نے مردے لہجے میں کہا۔
 ”کیا نے حد خفا ہو“ جمیل افسردہ سے لہجے میں بولا۔
 ”تم کو اگر میری خفگی کا خیال ہوتا۔ تو ایسی باتیں کبھی نہ
 کرتے۔“ طوسیہ نے منہ پھیرتے ہوئے کہا۔
 ”تم میری ہر بات پر خفا ہو جاتی ہو۔ تمہیں ہر بات بری لگتی
 ہے۔۔۔ آخر کیوں؟ سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔۔۔ کہ تم سے بات کیسے
 کی جائے۔۔۔ میری باتوں کو سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتیں
 سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تو برا مان جاتی ہو، جمیل نے بدتو
 افسردہ سے لہجے میں کہا۔
 جو اب طوسیہ خاموش ہی رہی۔
 ”تم دوسروں کے احساسات کی پرواہ نہیں کرتی ہو۔۔۔
 طوسیہ۔۔۔۔۔ جمیل نے اس پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔
 ”مگر تم چاہتی یہ ہو کہ دوسرے تمہارے جذبات کا احترام
 کریں۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔؟
 ”خدا کے لئے خاموش رہیے۔ طوسیہ نے اس کی بات
 مکمل ہونے سے پہلے ہی کہا۔

اور پھر انیل خاموش ہو گیا۔۔۔ کار مختلف شاہراہوں
سے تیز رفتاری کے ساتھ گزرتی جا رہی تھی۔۔۔ وہ دونوں
نہ جانے کیا سوچ رہے تھے۔

گھر آکر بھی جمیل خاموش ہی رہا۔ طوسیہ کو اس کا سختی
سے منہ بند دیکھ کر ہنسی آگئی۔ مگر وہ پھر کچھ نہیں بولا۔
اور دونوں اپنے اپنے کمروں کی طرف بڑھ گئے۔

صبح کا بھیگا بھیگا موسم دیکھ کر نبیلا نے پکنک کا پروگرام بنا
ڈالا۔ فرناز اور عامر تو فوراً ہی تیار ہو گئے۔ مگر جمیل نے کوئی
جواب نہیں دیا۔

طوسیہ کا دل نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اس نے سوچا
کہ کہیں میرے نہ جانے سے یہ لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں۔ کہیں جمیل
کی وجہ سے نہیں جا رہی ہوں۔۔۔۔ اور یہی سب کچھ سوچتے
ہوئے بادل خواستہ اس نے رضا مندی کا اظہار کر دیا اور صبح

میں ڈوب گئی۔

”ہڑا... سچ طوسیہ صاحبہ بڑا لطف رہے گا؟“ عامر نے
چپکتے ہوئے کہا۔

”اچھا بھئی سب تیار ہونا شروع کر دو میں مٹی سے کہکر
سامان جمع کرائی ہوئی“ نیلا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

طوسیہ اپنے کمرے میں آگئی۔ گلابی رنگ کا تنگ یا جامہ
اودھرتے ہوئے اس نے بالوں میں برش کرنا شروع کر دیا۔
”سچ بڑا مزہ آئے گا مس طوسیہ“ اچانک جیل نے کمرے
داخل ہوتے ہوئے عامر کی نقل اتاری۔

طوسیہ نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا۔
جیل غصے میں بھرا کھڑا تھا۔ طوسیہ کو ہنسی آگئی۔
مگر جیل سنجیدہ ہی رہا۔

”طوسیہ تم نہیں جاؤ گی۔“ اس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

”واہ... کیوں نہیں جاؤں گی“ طوسیہ نے چڑھ کر کہا۔

”میں جو کہہ رہا ہوں...“ جیل قریب آکر بولا۔

”تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے“ طوسیہ نے اس کا

مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

”میں جو کہوں گا... وہی ہوگا... جمیل نے اس کے بال پکڑ کر کہا۔

”اشہ... میرے بال... بھئی چھوڑنا۔ یہ کیا شگلی پن ہے
طوسیہ تکلیف سے کراہتی ہوئی بولی۔

جمیل نے بال چھوڑ دیئے اور تیزی سے مکرے سے نکل گیا۔ وہ دروازے کے ہلتے ہوئے پردے کو دیکھتی رہ گئی۔
طوسیہ حکم دینے والا جمیل بڑا اچھا لگا مگر وہ اچھے لگنے کی وجہ نہ جان سکی۔

دل نے کہا...

”مت جاؤ جمیل کو دکھ ہوگا۔“

مگر دماغ نے کہا۔؟

ضرور جاؤ طوسیہ... اس کو دکھ ہوتا ہے تو ہونے دو
اس شکسکش میں دل پر دماغ حاوی ہو گیا...؟

اور حجب وہ سکارٹ باندھتی ہوئی سب کے ساتھ بیچ
کی طرف بڑھی۔ تو جمیل اپنی سیاہ بیوک لئے گیٹ سے نکل ہاتھا
”جمیل ہمارے ساتھ نہیں جا رہے کیا“ فرناز نے دریافت کیا
”ہشت... چھوڑو یہی... نبیلا نے منہ سہرتے ہوئے

کہا: "راجہ اندر بنے پھرتے ہیں۔ سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے اب۔"

"مگر بیلا طوسیہ سے تو پوچھو۔ فرناز نے طنز یہ کہا۔
"آپ کے دل کی بات بھلا میں کیسے بتا سکتی ہوں۔"
طوسیہ نے فوری اس پر پھٹی کسی... جس پر سب بے ساختہ
مسکرائے لگے۔

نوکر نے گاڑی کے ڈیک میں سامان رکھ دیا۔ ڈرائیونگ
سیدٹ پر فرناز بیٹھ گئی۔ اس کے برابر کی سیدٹ پر بیلا براجمان
ہو چکی تھی۔

اور تیجھے... عامر...
طوسیہ کو پھر کوفت ہونے لگی۔ وہ طوعا کرہا عامر کے
ساتھ کھلی نشست پر بیٹھ گئی۔
گاڑی روانہ ہوئی۔ طوسیہ لائق کے ساتھ گزرتے
منظر دیکھنے لگی۔ جمیل کی کمی شدت کے ساتھ محسوس
ہو رہی تھی۔

کاش عامر کی جگہ جمیل بیٹھا ہوتا۔ اس نے سوچا۔
شہر سے اٹھ کر فرناز نے رفتار کافی تیز کر دی مگر ایک موڑ

سے گاڑی موڑتے ہوئے۔ اس کو تیزی سے بریک لگانا پڑا
 جمیل کی سیاہ ہڈک سڑک پر راستہ روکے کھڑی تھی۔
 ”بھئی واہ... یہ صاحبزادے کہاں آ موجود ہوئے“
 عامر نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔
 طوسیہ کھل اٹھی۔ جمیل بھلا ایسا کر سکتا تھا کہ میں جاؤ
 وروہ نہ آئے... وہ سوچنے لگی۔

نبیلانے سر نکال کر اس کو پکارا۔
 جمیل نے جواب دینے کی بجائے دوبارہ گاڑی اسٹارٹ
 لے کر تیزی سے آگے بڑھا دی
 فرناز کے گاڑی اشارت کرنے تک وہ ایک موڑ سے
 نچکا تھا۔

”بھئی یہ مقابلہ کیوں کر رہے ہیں۔ فرناز نے کہا۔ ہمارے
 ہاتھ ساتھ چلیں تو کمپنی بھی ہوگی۔“
 مگر اس کی بات کا کسی نے جواب نہیں دیا۔

طوسیہ نے بے چین ہو کر دوسرے موڑ کی طرف دیکھا
 اس کو دور دور تک جمیل کی گاڑی نظر نہیں آئی۔
 اور فرناز نے جب اس موڑ سے گاڑی روکی تھی... طوسیہ

کا دل ڈرے گیا..... وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔
 اچانک فرناز نے پوری قوت سے بریک لگائی.....
 گاڑی پھسلتی ہوئی رک گئی۔
 اور اسی لمحے نبیلا کے منہ سے ایک کرناک بکچھ خارج ہوئی
 عامر اور طوسیہ نے بو کھلا کر اس طرف دیکھا۔
 قدرے فاصلے پر جیل کی گاڑی.. مڑتے ہوئے شاید
 تیز رفتاری کی بنا پر انٹ گئی تھی۔
 طوسیہ نے اس منظر کو دیکھا۔ اور دوسرے لمحے بہوش
 ہو گئی۔

عامر تیزی سے اتر۔ فرناز اور نبیلا بھی تیزی سے دوڑیں
 طوسیہ بدستور سیٹ پر بہوش پڑی تھی۔
 عامر نے دیکھا... جیل اسٹیشن تک کچھ فاصلہ پر ہوش پڑا
 ہے..... بمشکل تمام اس نے جیل کو نکالا۔ اور اپنی گاڑی
 میں ڈال کر اسپتال کا رخ کیا۔
 جیل کے کچھ زیادہ چوٹ نہیں آئی تھی پیشانی البتہ کچھ
 زیادہ مجروح ہو گئی تھی۔ نبیلا اس کی تیمارداری میں لگی ہوئی
 تھی۔ اس کے قریب ہی بستر پر طوسیہ لیٹی ہوئی تھی۔

طوسیہ کو جب ہوش آیا۔ تو اس کی نظر دوسرے بیڈ پر پڑی
جہاں جمیل لیٹا ہوا تھا۔ اس کے سر پر پیچی بندھی ہوئی تھی۔
اور وہ اب تک یہ ہوش تھا۔

کمرے میں خاندان کے تمام افراد موجود تھے۔ ہر ایک
کی نگاہیں ان دونوں ہی پر مرکوز تھیں۔

طوسیہ کے ہوش میں آنے پر بیگم شہاب اسے گلے لگا
کر رونے لگیں۔ طوسیہ کا دل بھی بھر آیا۔

”جیل کے لئے دعا کرو میری بچی“ خدا اسے زندگی عطا کر
... بیگم شہاب نے بے تحاشا روتے ہوئے کہا۔

طوسیہ کا ذہن بری طرح منتشر ہو کر رہ گیا تھا۔ اسکی
سمجھ سے یہ چیز باہر تھی۔ کہ سب کچھ یہ کیسے ہو گیا۔

نبیلہ جمیل کے قریب ہی کھڑی تھی۔ پھر طوسیہ کے
قریب آگئی۔

”طوسی... بھتیہ کو کیا ہو گیا۔ کیا... وہ مجھ سے ناراض
ہو گئے ہیں؟...“ وہ بھی اس کے شانوں پر سر رکھ کر روتی
شہاب صاحب کمرے میں آئے تو طوسیہ کو ہوش میں نہ
کرا سکی طرف بڑھے۔

”کیسی بو بیٹی...“ انتہائی ضبط کی وجہ سے انکے ہونٹ
 کانٹنے لگے تھے۔ پھر اس سے پہلے کہ طوسیہ کوئی جواب دیتی
 وہ جھیل کی طرف نظریں اٹھاتے ہوئے بولے۔
 ”زیادہ چوٹ تو نہیں جھیل کو ٹھیک ہو جائے گا نا۔“

”اللہ بڑا رحیم ہے۔ پتا۔“ طوسیہ دمیرے سے بولی
 شام تک جھیل کو ہوش نہیں آیا۔ طوسیہ کی حالت بالکل
 ٹھیک تھی۔ مگر اس کا دماغ اب بھی ماؤن تھا۔ عشا کی نماز
 کا وقت قریب تھا اس نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر
 ڈالی اور نماز کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ نماز کے بعد وہ بڑی
 دیر تک جھیل کے لئے دعا مانگتی رہی۔ بیگم شہاب جھیل کے قریب
 پریشان بیٹھی تھیں۔ طوسیہ دعا سے فارغ ہوئی تو حسرت بولیں
 ”بیٹی میرے جھیل پر دم کر دو۔ اللہ کے کلام میں بڑا اثر ہوتا ہے۔“

طوسیہ نے بیگم شہاب پر نگاہ ڈالی۔ ڈبلدبائی ہوئی آنکھوں
 اور بھرائی ہوئی آواز نے اسے اور زیادہ متاثر کیا۔ وہ تھکے
 تھکے قدموں سے چلتی ہوئی جھیل کے بستر تک آئی اور دم کرتے
 ہوئے بیگم شہاب کے قریب بیٹھ گئی۔

بستر پر لیٹا ہوا جھیل بڑا پرسکون نظر آ رہا تھا۔ آنکھیں بند

تھیں۔ گلابی رنگت سی رہ گئی تھی۔ اس کے خوبصورت بال بکھرے ہوئے تھے۔ طوسیہ گھٹی گھٹی سانسوں کے درمیان حسرت بھری نظروں سے جمیل کو دیکھنے لگی۔

”بیٹی تم ذرا بیٹھو میں ڈاکٹر کو دیکھ کر ابھی آتی ہوں۔“

طوسیہ کے بیٹھتے ہی بیگم شہاب اٹھ گئیں۔

بیگم شہاب کے جاتے ہی طوسیہ نے طویل گہری سانس لیا اسکی پلکوں پر شبنم کے موتیوں کی مانند آنسوؤں کے دو گھٹے گھٹے قطرے ابھر آئے۔ وہ آہستہ آہستہ جمیل کے پیشانی بالوں کو سینٹنے لگی۔ اس کے کانپتے ہوئے ہونٹ آہستہ آہستہ چلے جاتے تھے وہ خدا کے حضور جمیل کی صحت کے لئے گرا گوار رہی تھی۔ اور پھر قدموں کی آہٹ نے اسے چونکا دیا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ ڈاکٹر کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ طوسیہ نے جلد سے دوپٹے کے انچل میں پلکوں پر پھڑپھڑے ہوئے آنسوؤں کے موتیوں کو سیٹھا اور کھڑی ہو گئی۔ ڈاکٹر نے سب سے پہلے جمیل کی

نبض ٹٹولی۔

”ڈاکٹر اب تک ہوش آئے گا انھیں؟“

”ہوش تو کافی پہلے آ جانا چاہیے تھا۔ بہر حال خوش خبری

ہے گھبراہٹیں نہیں۔

ڈاکٹر نے جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر اس کا
کارک کھولا اور شیشی جھیل کی ناک کے قریب لے جا کر گھڑی
دیکھنے لگا۔ طوسیہ آنکھوں میں امید و یاس کی کیفیت لے رکھی
ڈاکٹر کو دیکھتی اور کبھی جھیل کے چہرے پر نظریں جمادیتی۔ تنویری
دیر کے بعد ڈاکٹر نے شیشی ہٹالی اور اسے بند کر کے جیب میں
ڈال لی۔ اس کے چہرے پر نمایاں گہرے فکر کے آثار طوسیہ کی
نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہے تھے۔

کیا بات ہے ڈاکٹر۔ آپ خاموش کیوں ہیں؟۔ کچھ تو بویئے!
طوسیہ ڈاکٹر کو خاموش دیکھ کر گھبرا گئی۔

”گھبراہٹیں نہیں خدا مالک ہے۔ کوشش ہمارا فرض ہے۔“

ڈاکٹر طوسیہ کی جانب دیکھتا ہوا بولا

اس کی پیشانی پر نمایاں فکر کی لکیروں سے صاف ظاہر تھا کہ لاپرواہی
کی اتنی لمبی بیہوشی خطرناک ہے۔ پھر اس سے پہلے کہ طوسیہ مزید کچھ
پوچھتی زس کرے میں داخل ہوئی۔ جھیل کے سر ہانے کھڑا ہوا
ڈاکٹر چونک کر زس کی طرف متوجہ ہوا۔

”ڈاکٹر چھ بزمِ مرض کی حالت خطرناک ہے۔“

”اوہ... چلو... ڈاکٹر جمیل کے چہرے پر نظر ڈالتا ہوا دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

لیکن ڈاکٹر ان کی حالت...“

لیکن طوسیہ کا جملہ پورا ہونے سے پیشتر ڈاکٹر کمرے سے باہر چکا تھا۔ طوسیہ بے بسی سے دروازے کی طرف دیکھتی رہ گئی اس کا دل بھرا یا۔ وہ بے اختیار جمیل کی طرف لپکی اور اس کے چہرے پر جھپک گئی۔ بے اختیار بہتے ہوئے آنسوؤں کے چند قطرے جمیل کے چہرے پر گرنے لگے۔

معلوم نہیں یہ ڈاکٹر کی سنگھائی ہوئی دوا کا اثر تھا یا اس کلام الہی کا جو طوسیہ کی زبان پر جمیل کی صحت کے لئے آئے تھے طوسیہ نے اچانک اس کے چہرے پر بے حسنی کے آثار پیدا ہونے محسوس کئے۔ پھر چند ہی لمحوں بعد جمیل نے سر کو بوجھ کر اٹھ بٹایا۔ اور دھیرے سے بڑبڑایا۔

”طو... سی... عا... مر...“

طوسیہ کے ہونٹ خوشی سے کانپنے لگے۔ اس نے جمیل

کو آواز دی...

”جمیل دیکھو میں یہاں کھڑی ہوں... آنکھیں کھولو جمیل...“

”.....ن.....ی.....جیل کی نقاحت بھری آواز

ابھری۔

طوسیہ جلدی سے گلو کو زکا پانی لے کر اس کی طرف
 بڑھی۔ ہاتھ کا سہارا دے کر اس نے جیل کا سر اٹھایا اور
 نکاس اس کے منہ سے لگایا۔ جیل نے ذرا سی آنکھیں کھول کر
 اسے دیکھا۔ چند لمحے یونہی دیکھتا رہا اور پھر آنکھیں بند کر لیں
 طوسیہ نے اسے پانی پلانا چاہا مگر اس نے منہ پھیر لیا۔ مگر
 نے کسی آواز میں دس ٹیکن جیل نے کوئی جواب نہیں دیا
 طوسیہ رو دیا نسی ہو گئی وہ سمجھ رہی تھی کہ جیل جان کر اس کی
 بات کا جواب نہیں دے رہا ہے۔
 وہ باہر آئی بیگم شہاب اور شاہدہ بیگم ادھر کی رہی
 جیل کو ہوش آیا۔ ڈاکٹر ابھی آتے ہیں۔
 بیگم شہاب طوسیہ کے چہرے سے جیل کے متعلق اندازہ
 لگاتے ہوئے بولیں۔

”ہاں خالہ جان جیل کو ہوش آگیا ہے۔“

طوسیہ چہرے پر مسکراہٹ لاتی ہوئی بولی۔

”بس؟“ بیگم شہاب نے شاہدہ بیگم کا ہاتھ پکڑا اور تقریباً

دوڑنے کے انداز میں کمرے کی طرف لپکیں طوسیہ بھی ان کے پیچھے ہی کمرے میں داخل نہیں۔
 ”کیسے ہو میرے لال۔“ بیگم شہاب قیل کی بلائیں لیتی ہوئی
 والہانہ انداز میں بولیں۔

”پا... نی... قیل دھیرے سے بولا۔

طوسیہ نے گلو کو زلا ہوا پانی کا گلاس جسے وہ میز پر رکھ کر
 بارہا آگئی تھی۔ بیگم شہاب نے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اور قیل پر نگاہ
 ڈالتی ہوئی دوبارہ بارہا آگئی۔

تھوڑی دیر بعد نیلا۔ فرناز اور عام سب ہی قیل کے پاس
 موجود تھے۔ شہاب صاحب نے خدا کا شکر ادا کیا۔ نیلا باہر
 کھڑی ہوئی تھی طوسیہ کو اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ بیگم شہاب
 اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں۔

”طوسیہ بیٹی نے اللہ کا کلام پڑھ کر کھینچا تھا۔ اس کی تاثیر

ہے یہ سب۔۔۔

اور طوسیہ سر جھکائے سوچ رہی تھی۔ قیل نے میرے ہاتھ سے

پانی پینا بھی گوارا نہ کیا۔۔۔۔۔ وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔

وہ سب لوگ قیل کے پاس بیٹھے تھے کہ ڈاکٹر آگیا۔ قیل ہوش

میں تھا۔ لیکن اس کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔
 ”دیکھیے ان کو ابھی آرام کی سخت ضرورت ہے آپ سب
 لوگ انہیں تنہا چھوڑ دیں۔“

”آپ ٹھیک فرما رہے ہیں ڈاکٹر۔“
 شہاب صاحب نے ڈاکٹر کی تائید کی اور اٹھ کھڑے ہوئے
 پھر سب کو باہر نکلنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ خود بھی کمرے سے
 باہر آ گئے۔

مکان پہنچتے ہی بیگم شہاب نے دو کثرت نماز شکرانہ ادا کی
 سب لوگ بال ٹمبرے میں جمع تھے۔ نماز کے بعد وہ خود
 بھی وہیں آ گئیں۔ اس وقت مکان کی خوشیوں کا لہریا ٹھکانہ
 نہیں تھا۔ بیلاسکے آگے تھی۔ ایسا مہولہ مہولہ ہوا تھا تو یہ دنیا
 بھر کی خوشیاں آج اُن کے گھر میں اتر آئی ہوں۔ کافی رات
 تک ہنگامہ رہا اور پھر بیگم شہاب کے بچنے پر سب اپنے اپنے کمروں
 میں سونے چلے گئے۔

طوسیہ اپنے کمرے میں کہ بستر پر دراز ہوئی تو ایک بار پھر جیل کی
 نفرت اسے یاد آئی۔ جیل نے میری طرف سے منہ پھیر لیا تھا
 میرے ہاتھ سے پانی پینا بھی گوارا نہیں۔ اسے مجھ سے نفرت ہے

اسی قسم کے خیالات اس کے ذہن کو جھٹکتے رہے۔ وہ رات
بھر اپنے ویران خیالوں میں جھٹکتی رہی..... اور صبح اس کی
نیند سے بوجھل پکلیں جھٹک گئیں۔

جھیل تاجے کا سہارا لئے بیٹھا تھا۔ نیلا اور طوسی ایک کونے
میں مختلف رسالوں کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھیں۔ مگر یہاں
ایک بوجھل سا سناٹا سدا تھا۔

طوسی نے محسوس کیا۔ جھیل اس کی طرف دیکھتا تو ہتھ مگر
اس لی آٹھوں میں کوئی رنگا ریٹ نہیں ہوتی۔ وہ نیلا سے باتیں
کرتا... مگر طوسی کے وجود سے قطعی بے نیاز ہو کر ایسا ہی محسوس
ہوتا تھا۔ جیسے وہ اور نیلا لہرے میں تنہا ہی ہوں۔

جھیل بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو دیوار کی طرف منہ کر کے
لیٹ گیا۔ نیلا نے بھی رسالہ بند کر کے رکھ دیا..... اور ٹھٹھری ہوئی۔
”تم بیٹھو طوسی میں کافی بنوا کر لاتی ہوں۔ نیلا باہر نکلتی ہوئی ہوتی

”جاؤ مگر جلد آنا...“ طوسیہ نے ڈھیر سے کہا۔
 نبیلہ کے جانے کے بعد وہ پھر رسالہ پڑھنے میں محو ہو گئی
 وہ سمجھی تھی کہ شاید جیل سو گیا۔ مگر ٹھوڑی دیر ہی گزری تھی
 کہ جیل کرب سے بڑ بڑایا۔

”نبیلہ ذرا میرا سر تو دبا دو... بڑا درد ہو رہا ہے۔“

”اف... میرے اشر؟...“
 ”جی...“ طوسیہ رسالہ ایک طرف پھینک کر بے اختیار
 کھڑی ہو گئی.....

”نبیلہ تو نہیں ہے... اگر اجازت ہو تو میں دبا دوں
 اس نے قریب پہنچتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

”نبیلہ بہن میرا سر۔“ جیل نے کراہتے ہوئے ایسے ہی انداز
 میں کہا۔ جیسے اس نے طوسیہ کی بات کو سنا ہی نہ ہو۔

طوسیہ نے چند لمحے کچھ سوچا اور پھر بے ساختہ جیل کے
 بستر کی جانب بڑھتی چلی گئی... اور دوسرے لمحے... اس کے
 ٹکینے پر ذرا اسٹک کر اس کا سر آہستہ آہستہ دبائے لگی۔

”خار سے تپتا ہوا سر... اچھے بوئے بال۔ سلگتا ہوا
 سر... وہ مکئی باندھے اس کی طرف دیکھتی رہی۔“

بھیل اپنے ہوش میں نہیں تھا۔ اس کو طوسیہ کے مردانہ
سے بڑا سکون حاصل رہا تھا۔ یار میاں دواؤں سے زیادہ
خلوص بھرے ہاتھوں سے آرام ملتا ہے۔ اور طوسیہ کے
نرم نرم ہاتھوں نے شاید اس کے درد کو مٹا دیا تھا
”بس کرو نبیلا... بھتھارا بید شکر یہ“ کچھ دیر بعد جیل نے
پرسکون ہوتے ہوئے آنکھیں کھول کر ایک پھلتی سی مسکراہٹ
سے ساتھ کہا۔

اچانک وہ اچک کر بیٹھ گیا۔ اور طوسیہ کی جانب برغور
دیکھتے ہوئے بولا۔

”تت... تم نے کیوں زحمت کی...؟“
”تو کیا ہوا...“ طوسیہ نے زبردستی ہونٹوں پر مسکراہٹ
بکھیرتے ہوئے کہا۔ نبیلا نہیں تھی۔ اس لئے میں نے یہ فرض
سراخام دیا۔

”مگر تم نے کیوں ایسا ہی کیا؟ جیل الجھ پڑا۔
”آپ کے سر میں درد تھا نہ؟“ طوسیہ سمجھتی سمجھتی دل کے
ساتھ بولی۔

تم کو میرے درد کی کیا پروا... تم کو کیا پتہ کہ میرے کہاں

کہاں درو ہے۔؟ تم کس کس جگہ کے درو کا مداوا ہو گئی؟...؟
جیل نے درو سے بھرپور لہجے میں کہا۔

”تم.... بے حد سخت ہو۔ جیل...؟ تم خود غرض ہو تھیں
دوسروں کا مذاق اڑا کر تسکین ملتی ہے۔ اور تم اپنی اس راحت
سامان ہر جگہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہو....۔ قد قدم
پر تم نے مجھے دکھ دیے۔ تہ تم....؟ وہ بے اختیار سک
پڑی۔ اور اسی عالم میں اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔
پھر جیسے ہی جا۔ نے کے لئے مڑی جیل نے مضبوطی کے ساتھ
اس کا ہاتھ تھام کر روکا۔

”بات سنو طوسیہ....“
”کیا ہے؟“ طوسیہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔
یہاں بیٹھو۔ وہ اکھڑ لہجے میں بولا۔
طوسیہ خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کی استغما تپیریں
جیل ہی کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔
”یہ نگین پانی کے قطرے صاف کرو....“ جیل نے آنسوؤں
کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
طوسیہ نے بے اختیار تپیلیوں سے آنکھوں کو مسلا۔

”جی... جی...“ وہ پھر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔
 ”اب اپنے کمرے میں جاؤ... جمیل نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر
 دوبارہ بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟“ طوسیہ نے طنزیہ انداز میں استفسار کیا۔
 ”مطلب تو اپنے دل سے پوچھو طوسی جو... ایک سوالیہ
 نشان کی طرح پتہ نہیں کس کس کے دماغ میں چکراتا ہے...
 ... جمیل نے بھی طنزیہ پیرائے میں جواباً کہا۔

طوسیہ نے ایک سرد سانس لیا... اور کھوسی گئی...
 ”جمیل چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا... اور پھر کروٹ بدلا
 کر لیٹ گیا...“

”ارے کیا ہوا... طوسیہ“ اچانک نبیلانے کمرے میں
 داخل ہوتے ہوئے کہا... اس کے ہاتھوں میں کافی کی
 ٹرے تھی۔

”ایک ذرا سادہ لگتا ہے... اور وہ تو کوئی بات نہیں...“
 طوسیہ زیر لب بڑبڑائی... ایسے ہی جیسے کوئی دوسرا نہ سمجھے۔
 ”بھئی اب تک نہیں اٹھے کیا۔ نبیلانے کافی پیالیوں
 میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

”اپنے بھتیا سے پوچھ لو... طوسیہ بیرجی سے بولی
 ”تم میرے بھتیا سے جلتی کیوں ہو... نبیلانے برا مان کر کہا۔
 ”مجھے کیا غرض ان سے جو میں جلوں...“ طوسیہ نے تیوریا
 چڑھاتے ہوئے کہا۔

”یہ تو نہ کہو... اگر غرض نہ ہوتی تو... ان کا ریکیڈنٹ بنگر
 بے ہوش کیوں ہو جاتیں“ نبیلانے ایک خوبصورت سی مسکراہٹ
 کے ساتھ کہا۔

ہو گئے تھے بس ہماری مرضی... طوسیہ نے مصنوعی غصہ کا
 اظہار کیا۔ ”آپ کے بھتیا اس قدر حسین نہیں کہ کوئی ان کو دیکھ کر
 بے ہوش ہو جائے...“

”ارے جاؤ“ نبیلانے پیار سے جیل کی طرف دیکھا اور پھر
 چند لمحوں کے توقف سے بولی۔

”ہر وقت تو میرے بھائی کو گھور گھور کر دیکھتی رہتی ہو...“

مجھے تو ڈر رہتا ہے کہیں نظر نہ لگ جائے۔“

”جی ہاں... ایسے ہی تو تارے ٹکے ہیں آپ کے بھائی میں“

طوسیہ نے کافی کا کپ سنبھالتے ہوئے کہا۔

”ارے تاروں کو چھوڑو... چاند کا ہے چھیل بھیا میں...“

نبیلا نے فخریہ انداز میں کہا :-

”اوں ہوں.... جمیل نے کروٹ بدلی... کیا تم لوکیوں نے شور
مچا رکھا ہے بھاگو یہاں سے... وہ نارنگی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔
نبیلا جلدی سے سامان سمیٹ کر نکل گئی مگر طوسیہ پر جھنجھل سی
سوار ہو گئی... وہ بدستور اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔

”محترمہ کیا آپ نے نہیں سنا....“ جمیل نے سرد لہجہ میں کہا۔

طوسیہ انجان بنی اپنے رومال سے کھینچتی رہی۔

”کیا بات ہے پھر نکالنا پڑے گا...“ جمیل نے تہلکا کر کہا۔

”نکال کر دیکھو...“ طوسیہ نے اکر کر کہا۔

”واہ کیا شان ہے... جمیل نے زبردستی ہنسی ضبط کی۔

”تم کو حق ہے.... جہیں کہہ سکتے ہو... کہ میں تمہارے گھر

میں رہ کر تم سے اکڑتی ہوں... تمہارا کھا کر تم ہی سے لڑتی ہوں اور

تم پر بوجھ بن کر تم کو پریشان کرتی ہوں...“ طوسیہ اس کے قریب

آتے ہوئے بولی۔

”مگر میں ایسی کوئی بات نہیں برداشت کر سکتی جو میری آنا کوئی

پہنچائے... میں ایسی کوئی چیز یاد نہیں کر سکتی جو میری خودی کو

چوٹ لگائے۔ تم اگر بے جا رعب میں رکھنا چاہتے ہو... تو

یہ تمھاری غلطی ہے؟..... فتح مجھ سے عاجز ہونا؟ تو فکر نہ کرو... بہت جلد تمھارے گھر سے چلی جاؤ گی۔ وہ جذبات سے بھر پور لہجہ میں بولی اگلے آنکھیں نم ہو چلی تھیں آنسوؤں کی جھلکیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

”کہاں“ جمیل نے درد سے ڈوبے ہوئے لہجہ میں کہا۔
 ”اپنے گھر....“ طوسیہ نے نظریں جھکا کر کہا۔

”کیا بات پکی ہو گئی؟.....“

”کیسی بات؟“

”عامر اور تمھارے رشتے کی..... اسی کے گھر جاؤ گی نا؟“

جمیل نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

”جمیل“ طوسیہ نے تڑپ کر نظریں اٹھائیں..... یہ کب کرم

نے مجھ پر ظلم کیا ہے.... عامر تمھاری بہن کا منگیتر ہے.....؟“

”اس کی پروا ہمت کرو طوسیہ.... جمیل نے طنز پر انداز میں

کہا.... عامر اگر منگیتر ہوتا۔ تب بھی تمھیں سوچ دیتا۔“

”جو اس بند کرو جمیل...؟“ طوسیہ بے اختیار چیخ پڑی...

اور بے تحاشا اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

”تمھاری مرضی....“ جمیل نے لا پرواہی کے ساتھ شلنے

اچکاتے ہوئے کہا: "ہو سکتا ہے،" کہیں تمہیں عامر کے قریب کر سکو؟"
 "بکشمور... بے ایمان... خود غرض،" طوسیہ دروازے سے

نکلتی ہوئی بولی۔
 "اس قدر اسناد ایک ساتھ بخشنے کا شکریہ" جیل نے پھینکی سی
 مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اب کبھی تمہارے کمرے میں نہ آؤنگی۔" طوسیہ نے طیف کر کہا،
 "میں چاہتا بھی یہی ہوں۔" جیل نے جواب دیا۔
 طوسیہ نے جیسے ہی دروازہ کھولا... ہمارے نگر آگئی۔ عامر
 دروازے میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ ایک طرف جھلاتے ہوئے
 ہٹ گئی۔

بھئی خوب کیا... ملاپ ہو رہے ہیں؟ جیل سنس ٹپا۔؟

"جیل شرم کرو...۔" طوسیہ سسک پڑی۔

"اب لڑکیوں نے ہی شرم چھوڑ دی ہے تو لڑکوں
 کو شرم مانا ہی پڑے گا۔"

"ہیلو... جیل کس سے لڑ رہے...۔" عامر نے قریب
 آتے ہوئے کہا۔

"تمہاری طوسیہ سے۔" جیل نے جھپٹے ہوئے لہجہ میں کہا۔

”کیا ہوا طوسیہ صاحبہ آپ رو کیوں رہی ہیں؟“ عامر نے حیرت زدہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مختار بے لئے“ جمیل نے بے نیازی چھت کی طرف گھورتے ہوئے کہا۔

طوسیہ تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی اور اس کا سر کھلے ہوئے پٹ سے ٹکرا گیا۔ عامر نے جلدی سے اس کو سہارا دیا۔

”خدا کے لئے میرے کمرے سے جاؤ یہ سارا دھم چار کھا ہے۔“ جمیل نے کوفت بھرے ہجے میں کہا۔

”انیل تم انسان نہیں جانور ہو... طوسیہ دونوں ہاتھوں سے سر کھڑکواخت پیستی ہوئی بولی۔
کوسنگاس کا جانور ہوں... یہ بھی تباہ ڈالو، جمیل نے ہنسنا سے بچنے کی بجائے ”طوسیہ نے جاتے ہوئے کہا۔

اس کے جانے کے بعد عامر کچھ دیر تک حالات کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا اور پھر باہر جانے لگا...؟

”فرسٹ ایڈ کا کبس لیتے جاؤ عامر... جمیل نے پوری قوت سے چلاتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟“ عامر نے دروازے کے قریب رکتے ہوئے پوچھا۔
 ”طوسی کی طبیعت ادا کر کے اور بھی بہت کچھ سمجھاؤ“ جمیل نے بے نیازی کے ساتھ کہا۔

کیسی باتیں کر رہے ہیں... آج آپ... کی طبیعت تو ٹھیک ہے... عامر نے کہا۔

”گزر رہی جو دل پر اس کو خدا ہے“ جمیل نے سگریٹ کبس سے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا۔ ”مگر رقیبوں کو کیوں سناؤں؟“
 ”رقیب کون ہے آپ کا؟“ عامر نے حیرت کا اظہار کیا۔
 ”واحد کیا زمانہ آگیا... خود رقیب ہی پوچھ رہا ہے۔“
 وہ بھی بڑی نچت سے کہ میرا رقیب کون ہے؟“ جمیل نے کھولی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

آپ کو آرام کی ضرورت ہے جمیل صاحب سو جائیے کچھ دیر... کہتے ہوئے عامر باہر نکل گیا۔

جمیل کا فی دیر تک منگلی باندھے ہتے ہوئے پروں کے دیکھتا رہا۔ پھر سگار بجھا کر آنکھ بند لیں۔ اور خیالوں میں گم ہو گیا۔

آنکھیں نہ جلنے کیوں تم ہوئی چلی گئیں۔ آنکھوں کے کونوں سے جھانکتے ہوئے آنسو اس کے غموں کی داستان سننے لگے؟
 نت نئے خیالات کا طوفان...؟ اس کو غمیں گہرائیوں میں
 دھکیل رہا تھا... ہر طرف تاریکی... گٹھا ٹوپ اندھیار...
 جہاں ہاتھ کو ہاتھ نہیں بھائی دے رہا تھا۔ وہاں بھلا وہ کیسا
 دیکھائی دیتی۔

وہ منزل کی تلاش میں تھا۔ اور منزل اس سے کافی دور
 تھی... زلیست بھی پریشان موت بھی پریشان گمن بن کر رہ گئی تھی
 ... زخم ہرے تھے... بھائے کی ضرورت تھی... مگر رکھنا کون
 جبکہ مقدرات بھی اپنی جگہ اٹل ہیں...
 "یا خدا" وہ چلا پڑا...

"میں جانور بن گیا ہوں طوسہ... وہ بڑبڑایا...
 "اب تم اس جانور سے نفرت کرو... اتنی نفرت کرو... کہ
 میں یہ سمجھنے لگوں... قدرت نے مجھے نفرت ہی کے لئے پیدا
 کیا ہے..."

وہ بلک اٹھا... آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ خیالات
 کی مڑھتی جارہی تھی۔ کوئی سلگ رہا تھا۔ اور کسی کے ارمان سک رہے تھے۔

جیل اپنے کمرے میں لیٹا کیٹس کا کلام پڑھ رہا تھا۔ کٹوسیر
کے کمرے سے ہنسنے کی آواز آئی۔

”اللہ عامر تم کتنی اچھی باتیں کرتے ہو۔ طوسیر نے مسلسل
ہنستے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔

جیل نے کلام منیر پر پہنچ دیا۔

”بری باتیں تو ایک ہم ہی کیا کرتے ہیں وہ بڑ بڑایا۔“
”پھر حل رہی ہیں آپ سووی“ عامر کی چمکتی ہوئی آواز سنائی
”آف کورس“ طوسیر نے کہا۔

”جیل کو بھی لے لیں“ فرناز کی آواز ابھری۔

”ارے نہیں“ طوسیر بولی... ”چھوڑو ان چڑچڑے حضرت کو“
”ہاں جیل سے مت کہو... اسکی حالت اس قابل نہیں ہے“

ابھی“ عامر نے تائید کی۔

”کیا تم چلو گی نبیلا۔“ طوسیر نے نبیلا سے دریافت کیا۔

”نہیں بھئی تم لوگ ہی جاؤ“ نبیلا نے سر دے لہجے میں کہا۔
 ”پھر کراؤں میں تین کی کنگ“ عامر نے اٹھتے ہوئے کہا۔
 ”ہاں“ طوسیہ جلدی سے بلند آواز میں بولی۔

عامر کے جانے کے بعد فرناز بھی نکل گئی۔
 طوسیہ نے زور زور سے ہنسنے شروع کر دیا۔ جمیل کا دماغ
 سلگنے لگا۔

”یہ طوسیہ اب مجھ سے دور رہ کر کس قدر خوش رہتی ہے۔
 اور اب وہ میرے کمرے میں بھی نہیں آتی۔ بیچاری نبیلا کو عامر کی
 بیرخی کا تسکدِ غم ہے۔“ جمیل سوچتا رہا پھر اس نے سنا... نبیلا
 کہہ رہی تھی۔

”کوئی بات بھی ہے ہنسنے کی جو تم پاگلوں کی طرح ہنسے جا رہی ہو“
 ”کیا صرف کسی بات پر ہی ہنسا جاتا ہے۔ ہمارا دل چاہا۔ ہم ہنس
 رہے ہیں۔“ طوسیہ بدستور فلک شگاف قہقہے لگاتے ہوئے بولی۔

”بہت خوش رہتی ہو آجکل“ نبیلا نے جل کر کہا
 ”یاں سنی اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ خوش ہی رہاؤں گی۔“
 طوسیہ نے کچھ سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

”مبارک ہو... بہت جلدی یہ فیصلہ کیا“ نبیلا نے مسخرانہ انداز میں کہا

”اچھا چھوڑو... ان باتوں کو یہ بتاؤ کہ آج شام کا کیا پروگرام ہے۔ طوسیہ نے استفسار کیا۔

”تم تو مودی جا رہی ہو نا... پھر پروگرام کیسا؟“ نیلا عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی
 ”ارے جاتا کون ہے... کرے دو بکنگ“ طوسیہ نے شرارتاً مینر مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”کیا مطلب“ وہ متحیرانہ لہجے میں بولی۔

”مطلب یہ کہ میں تو جاؤں گی نہیں... ہاں اگر تم چلی جاؤ...
 تو اچھا ہے۔ اور میرا خیال ہے عام کے ساتھ تم کو چلا جانا چاہیے
 طوسیہ بولی۔
 ”تو ویسب کیا تھا“ نیلا نے پہلی بار خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”صرف ڈرامہ“ طوسیہ گہری سنجیدگی سے بولی۔
 ”اس کا مقصد کیا تھا“ نیلا نے متعجب لہجے میں دریافت کیا
 ”یہ نہ پوچھو تو بہتر ہے نیلا“ طوسیہ کچھ سوچتے ہوئے بولی
 ”میں تم کو آج تک نہیں سمجھ سکی“ نیلا نے آہستہ سے کہا۔
 ”سمجھنے کی کوشش بھی نہ کرنا نیلی ورنہ خود الجھ کر رہ جاؤ گی“ طوسیہ

عجب سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی ۔

”مجھے صاف کر دو طوسی... میں ایک غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی تھی۔ میں نے سمجھا تھا... کہ تم عامر... سے...“
 ”بری بات ہے... ایسی گندی باتیں نہیں سوچا کرتے طوسیہ نے جلدی سے اہلکیا ت کاٹتے ہوئے کہا۔“ میں تو اپنا حق بھی دوسروں کو دے دینے کی عادی ہوں۔ دوسروں کا حق مارنا تو کجا۔ نیلا اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ جو اب وہ کچھ نہیں بولی تھی۔
 ... کمرے میں سناٹے کا راج ہو گیا تھا۔ پھر چند منٹوں کے توقف سے طوسیہ نے ہی اس سناٹے کے طلسم کو توڑتے ہوئے کہا۔

”نیلا ڈیر ایک کام کرو گی؟“

”ارشاد“ نیلا نے پلکیں پھڑپھڑائیں۔

”بہت دیر سے تم جیل کے کمرے میں نہیں گئیں موزا دیکھو آؤ کیسے ہیں؟“ طوسیہ نے گردن کو جھکاتے ہوئے ہلکی آواز میں کہا۔
 ”تم خود دیکھ آؤ نا... مجھ کو کیوں دن میں دس دس مرتبہ کھجور معلوم کراتی ہو؟“ نیلا نے شرارت آمیز مسکراہٹ کیساٹھ کہا۔
 ”ضد نہ کرو نیلی جاؤ دیکھ آؤ۔ اگر سوچا ہے ہوں تو مجھے بھی بتاؤ میں بھی دیکھ آؤں گی بہت دونوں سے ان کو نہیں دیکھا ہے۔

طوسیہ نے التجا آمیز نظروں سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا
 ”اچھا جاتی ہوں... اگر جاگ رہے ہوں گے تو کہوں گی۔ کہ
 سو جائیے۔ طوسیہ صاحبہ دیکھنے آئیگی۔ نبیلا نے اس کے گال
 کو پھپھکتا کرتے ہوئے کہا۔

جھیل قدموں کی چاپ سنتے ہی... جلدی سے بستر پر دراز
 ہو گیا۔ کتاب ریز پر رکھ دی۔ اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔
 ”اچھی ایکسنگ کر رہے ہو بھیا۔ یوں ہی سوتے بنے رہو۔
 طوسیہ آئیگی...۔ نبیلا نے شرارت بھرے لہجہ میں کہا۔ مگر پھر
 اس کو بھی یقین ہو گیا کہ جھیل واقعی سو رہا ہے۔
 وہ لوٹ گئی... اور طوسیہ کے کمرے میں پہنچ کر بولی... ”
 ”جاؤ طوسی... بھیا گاڑی سمیت گھر چلی جا کر سوئے ہیں“
 ”کوؤ تم بھی ساتھ“ نبیلا سے طوسیہ نے کہا۔

”نہیں تم جاؤ... جب تک میں تیار ہوتی ہوں...“
 جانے کے لئے۔ مگر عامر سے کیا کہو گی کہ تم کیوں نہیں جا رہی؟
 اچانک نبیلا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”کہہ دوں گی کہ سر میں خریدہ درد ہے۔ نبیلا کو لیتے جاؤ میں
 میں نہیں جا سکتی اور ان کو لیجانا ہی پڑے گا... کیونکہ بکننگ

عین کی جے: "طوسیہ لے کرے سے نکلتے ہوئے کہہ دو
 "وشی یوگڈ لک" بمیلانے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔
 جیل کے کمرے کا پردہ ہٹا کر اس نے جھانکا۔ سامنے ہی بستر پر
 جیل منہ پر کتاب رکھے سووتا دکھائی دیا۔ طوسیہ دمیرے دمیرے
 چہتی ہوئی۔ قریب آئی۔ تھوڑی دیر اسے کھڑی دیکھتی رہی۔
 کتنا کمزور ہو گیا ہے جیل... اس کی گلابی رنگت سفید پڑ گئی
 تھی۔ کیٹس کا پر روز کلام پڑھتے پڑھتے ہو گیا ہے پگلا... وہ
 زیر لب بڑبڑاتی۔

پھر وہ پلٹی... جیل کی ڈاڑی اس کے رائیٹنگ ٹیبل پر
 پڑی تھی۔ اس نے بے ساختہ ڈاڑی کو اٹھالیا... اور غصے
 اٹھنے پلٹنے لگی۔ ایک جگہ لکھا تھا:

اُکے تجھ بن اس طرح اے دوست گھبراتا ہوں
 جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں
 طوسیہ نے آج کا صفحہ پڑھا... لکھا تھا.....

خود اپنے نام... اے درد
 جیل تم اب کی امید ہے کہ وہ ایک دن تمہاری محبت کو
 قبول کر لے گی۔ پگھلے وہ تم سے محبت نہیں کر سکتی۔

تم کیوں جی رہے ہو؟
 کس کے لئے جی رہے ہو؟
 مر جاؤ تاکہ ان دکھوں سے نجات ملے؟ شعر
 وہ دل کہاں ہے اب کہ جسے پیار کیجئے
 مجبوریاں ہیں ساتھ دیئے جا رہا ہوں میں
 طوسیہ نے ڈائری بند کر دی۔ ایک بار پھر اس کا ذہن
 سنگین لگا۔ دل نے کہا۔

طوسیہ ہم زندگی بھر محبت کیلئے بھٹکتی رہی۔ اور اب جب
 محبت کے موتی تیرے قدموں میں ہیں تو... تو ان کو ٹھکرا رہی ہے
 تو نے عمر بھر دماغ کا کہنا مانا۔ اور دکھ اٹھاتی رہی ہے۔ میرا بھی تو
 کچھ خیال کرو... جمیل کو اپنا لے۔

”نہیں طوسیہ... ذہن نے سختی سے انکار کیا۔ ہرگز نہیں
 جمیل نے تیرا گھر اٹھا... وہی تیری ماں کی موت کا سبب بنا
 اب بھی وہ تیری ٹوہن کرتا ہے تیرے دکھ پر سکراتا ہے۔ یہ سب کچھ
 وہ تجھ کو موقوف بنانے کے لئے کر رہا ہے۔“

”پگلی کہاں کا عشق۔ کیا اخلوص... بھلا یہ غیر لوگ... تجھ
 سے کیوں محبت کرنے لگے۔ جمیل ناز و نعمت سے پلا ہوا... خود غرض

لوکا ہے۔ تیرا گذر اس کے ساتھ نہیں ہو سکتا.... جمیل کو مت قبول کرو.... ورنہ پھٹاؤ گی....

طوسیہ نے سوچتے ہوئے کلائس پر رکھی ہوئی جمیل کی فوٹو گرا کو دیکھا.... وہ بے ساختہ اس طرف بڑھ گئی۔

اس کی مسکراتی ہوئی آنکھوں میں شوخ سا پیغام تھا۔ طوسیہ نے بے اختیار فوٹو فریم اٹھالیا۔ جمیل کے بال کس قدر خوبصورت ہیں۔ اچھے اچھے گھنگریا لے بھورے بال.... اس کی مسکراہٹ میں کس قدر دلکشی ہے۔ چہرہ پر ساؤرکن معصومیت ہے ۶.... وہ فریم پر جھبک کر سوچنے لگی۔

”مگر یہ سب تیرے لئے نہیں ہے؟“ ذہن نے اس سے کہا

”تیرے لئے تو اس کی جفائیں ہیں....“

اس کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو گرے اور شیشے پر پھر گئے

”محترمہ کیا منہ پر تھوکنے کی ہمت نہیں پڑی۔ جو میری بیزبان فوٹو گراف پر تھوکا جا رہا ہے۔ جمیل کی آواز آئی۔

”جج جی....“ طوسیہ کے منہ سے گھبراہٹ میں بیساختہ نکلا۔

.... اور ہاتھ سے فوٹو پھوٹ کر گر پڑا

انیل پشت کی جانب سے دیکھ رہا تھا۔ سنگار میز میں لگے

ہوئے آئینے کے ذریعے تکیہ کے سہارے کہنی ٹھیکے ہوئے جمیل کا
عکس اس نے دیکھا اور پسینے چھوٹ گئے۔

”مم... میں... ہتھوک تو نہیں رہی تھی۔ مم میں تو...؟“
”بہر حال کچھ بھی کر رہی تھیں۔“ جمیل نے ترش لہجے میں کہا
... مگر اب میری فوٹو گراف اپنے قدموں سے اٹھا کر مجھے دے دیجیئے
اور ان کا بیج کے ٹنڈروں سے بچکر کمرے سے نکل جائیے۔

طوسیہ نے ٹوٹا ہوا فریم اٹھایا۔ کاسنج کے ٹکڑے فوٹو پر سے علیحدہ
کئے۔ اور تب ہی اس کے ہاتھ میں شیشے کا ایک ٹکڑا جھبک گیا۔
وہ فوٹو لے کر جمیل کی طرف بڑھی۔ خون کے قطرے فوٹو
پر گرنے لگے

”لیجیئے“ اودہ جمیل کی طرف فوٹو گراف بڑھا کر بولی۔

جمیل نے اس کے زخمی ہاتھ کو بغور دیکھا۔
طوسیہ فوٹو اس کے سر ہانے ڈال کر باہر نکلنے لگی۔
”رک جاؤ طوسیہ“ جمیل نے دھیرے سے کہا۔

مگر طوسیہ زور سے دروازہ بند کرتی ہوئی باہر نکل آئی پھر وہ
نبیلا کے کمرے میں گئی۔ مگر سب موزی جا چکے تھے۔ بیگم شہاب
اور شاہدہ بیگم شاہ پنگ کرے گئیں تھیں۔

طوسیہ اپنے کمرے میں آئی انگلی سے خون جاری تھا۔ وہ پیڈ
کھول کر خون کے قطروں کو سفید صفحے پر گرانے لگی۔ پھر تمام قطروں
کو اس نے آپس میں ملا دیا۔ پھر جس سے ایک بڑا خوبصورت ”لے“
بن گیا۔ شعر

دکھاوا اور ہوتا ہے۔ محبت اور ہوتی ہے
اگر عو جذبِ دل صادق تو رنگت اور ہوتی ہے
جھیل نے دروازہ کا سہار لیکر کھڑے کھڑے کہا۔
طوسیہ نے سر اٹھایا۔ جھیل ہاتھ میں فرسٹ ایڈ بکس لئے
کھڑا تھا۔

”تمھاری ضرورت نہیں ڈاکٹر“ طوسیہ نے کہا۔
”مگر جانور کی ضرورت تو ہوگی ہی تمھیں۔“ جھیل نے استغلی
سے کہا۔

”تم نے اپنے کمرے سے اگر غلطی کی ہے... ابھی چلنا نہیں
چاہیے۔ جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرو۔ طوسیہ نے کبسل سکے
ہاتھوں سے لیتے ہوئے کہا۔

”میں تمھارے پاس ڈاکٹر کی حیثیت نہیں بلکہ ایک ہمدرد
دوست کی حیثیت سے آیا ہوں۔ تم نے مجھے نہیں بلایا...“

مگر مجھے اپنے فرض کا احساس ہے جمیل نے ایک مجروح سی
سکر امپٹ کے ساتھ کہا۔

”بہت جلد تم کو اپنے فرض کا احساس ہو گیا“ وہ طنزیہ
انداز میں بولی ”اب تو خون بہہ بہہ کر خود رک گیا ہے۔۔۔۔۔“

وہ بیرخی سے کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔
”یہ کٹھورین تم نے کہاں سے سیکھا ہے طوسیہ“ جمیل کرب انگریز
لہجے میں بولا۔

”تم سے“ طوسیہ نے مڑے بغیر کہا۔

”اچھا طوسیہ میں جا رہا ہوں۔۔۔ خدا حافظ“ جمیل بدستور
کرب انگریز لہجے میں بولا۔

”خدا حافظ“ طوسیہ نے سودھری سے کہا۔ مگر ٹھوڑی دیر بعد
جب وہ مڑی تو جمیل دیوار کے سہارے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں
سے پجاری اور شکایت کا اظہار ہو رہا تھا۔۔۔

”اگر آپ سے چلانہ چاہا ہو۔۔۔ تو میں پہنچا دوں“ طوسیہ نے
نظریں چراتے ہوئے رک کر کہا۔ ”آپ کے کمرے تک“

”نہیں ابھی ایسی نوبت نہیں آئی ہے۔ میں خود ہی چلا
جاؤں گا۔۔۔ جمیل نے ایک سو سانس لیتے ہوئے کہا۔

طوسیہ خاموشی سے گردن جھکائے کھڑی رہی.....
 وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی.... مگر کچھ بھی تو نہیں کہہ سکتی تھی
 ... دل و دماغ کی جنگ نے ایک ایسے لاوے کو جنم دے
 دیا تھا کہ وہ خود ہی اس کے بھینٹ چڑھے جا رہی تھی۔
 جمیل بچا رہے کی کیفیت بھی کچھ اس سے حدانہ تھی...
 وہ بھی اندر اٹھ ہوئے طوفان کی بندشوں کے لئے خود کو
 نذر کر رہا تھا۔ اور یہ نذرانہ شاید اس کی سسکتی ہوئی زندگی
 کا باعث تھا.....

”سنو طوسیہ“ چند لمحوں کے توقف سے جمیل نے کہا۔
 ”میں کچھ نہیں سننا چاہتی جمیل... اگر تمہیں کمرے تک
 پہنچنے کے لئے سہارا چاہیے تو میں پہنچائے دیتی ہوں... مگر
 خدا کے لئے... خاموش رہو... کچھ بھی نہ کہو... کچھ بھی تو
 نہ کہو“ وہ آنکھیں موندتے ہوئے جذبات سے بھر پور گھیر
 آواز میں بولی۔

اور جمیل یا س زدہ سی نظروں سے اس کی جانب
 دیکھتا رہ گیا
 پھر چند منٹ اسی حالت میں گزر گئے.. پھیلی ہوئی بول

بوجھل سی خاموشی مزید گہری ہو گئی.. اور جھیل کے مردہ قدموں کی
 ہلکی چاپ خاموشی کے طلسم کو توڑنے لگی
 وہ دھیرے دھیرے اپنے کمرے کی جانب چل پڑا... اور
 فاصلے بڑھتے گئے۔
 طوسیہ بدستور آنکھیں موندے میز کے سہارے کھڑی
 تھی..... جھیل کے قدموں کی چاپ دھیمی پڑتی جا رہی تھی

جھیل کی حالت اب تسلی بخش ہو گئی تھی۔ آج وہ نیلا کا ہاتھ
 پکڑے لان میں آیا تو بیگم شہاب نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔
 ”اوہ... بیٹا ایسی طبیعت ہے اب، بیگم شہاب نے پوچھا۔
 ”ڈاکٹر زندگی کے ہر رنگ میں جیتا ہے ممیٰ اور بھر میں تو
 جانور ہوں“ جھیل نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اور
 کئی آنکھوں سے طوسیہ کی جانب دیکھنے لگا۔ جو قرناز کیا تھا

گھاس پر بیٹھی تھی

”اسلم علیکم پیٹا... جمیل نے شہاب صاحب کے قریب پہنچ کر کہا... شہاب صاحب مطالعہ میں مصروف تھے۔ دو چنگ پڑے اور پھر جمیل کو دیکھ کر بولے۔
”کون جمیل... کیسی طبیعت ہے تمھاری۔“

”آپ کی دعا ہے... پیٹا... جمیل ان کے قدموں میں بی گھاس پر بیٹھتے ہوئے بولا۔“

”دو دن میں کیسا زرد پڑ گیا ہے میرا چاند“ شاید یہ سبگم پیار بھری نظروں سے جمیل کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔

”ہیں تو خالہ جان میں تو اور تنکڑا ہو گیا۔ بوا۔“ موٹاپے کا یہ غام ہے کہ چلا بھی نہیں جاتا۔ دوسروں کا سہارا لیکر چلتا ہوں“ جمیل نے ایک دلکش سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

سب سے سختہ ہنس پڑے۔

کافی کے دوران ہلکی بھلکی باتیں ہوتی رہیں۔ فرنازا ٹھکر جمیل کے قریب آ بیٹھی۔ اور طوسیہ کافی کا کپ ہتھال کر اچستہ اچستہ کافی دور نگل گئی۔

پیٹا میرا خیال ہے... نکر میل ب کلینک جانا شروع کر دو

میرے مرض واپس جا رہے ہوں گے۔ اس کے علاوہ گھر پر پڑے دل بھی اکتا جاتا ہے۔“ جمیل نے شہاب صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔۔۔ ”کیا رائے ہے آپ کی۔“

میری رائے تو یہی تھی۔ کہ ابھی تم آرام کرتے یا پھر ایسا کرو۔ کہیں باہر چلے جاؤ۔ ہو ابھی بدل جائے گی۔۔۔ اور بورتیت بھی ختم ہو جائے گی۔“ شہاب صاحب نے کہا۔

”تم ہمارے ساتھ لاہور چلو۔۔۔ اگلے ہفتے ہم جا رہے ہیں تم بھی کچھ دن رہ کر چلے آنا“ شاہدہ بیگم نے کہا۔

”ہاں جمیل واقعی ایسا کرو۔۔۔ فرائز نے ایک خوبصورت سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

جمیل خاموش ہو گیا۔ شہاب صاحب نے بھی تائید کی۔ اور پھر ان کے پیہم اصرار پر اس کو حامی بھر لینی پڑی۔

باجی میں بہت دنوں سے آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔۔۔ میرا خیال ہے۔ یہ موقع بہتر ہے۔ کیونکہ دو لہجہ بھالی بھی موجود ہیں۔ اگر اجازت دیں۔ تو کچھ عرض کروں؟“ شاہدہ بیگم۔۔۔ بیگم شہاب سے مخاطب ہوتے ہوئے بولیں۔

”ہاں بھی ضرور کہو۔“ بیگم شہاب نے اثبات میں سر کو جھٹک دیتے

ہوئے کہا۔
 مگر شاہدہ بیگم بجائے کچھ کہنے کے بیدار کی طرف دیکھنے لگیں
 نبیلا ہونے والی گفتگو کا اندازہ لگا کر طوسیہ کی جانب بڑھنے لگی۔
 اس کے جانے کے بعد شاہدہ بیگم نے کہا:!

”میں چاہتی ہوں۔ کہ اب آپ نبیلا کو میرے سپرد کر دیں“
 ”نبیلا تو ہے ہی تمہاری۔ مگر جلد ہی کیا ہے۔ میں چاہتی ہوں
 پہلے ہوئے کر آؤں۔ اور پھر بیٹی کو رخصت کر دوں۔ تاکہ گھر کی
 رونق کم نہ ہو۔“ بیگم شہاب نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا
 ”ہو تو آپ کے گھر میں موجود ہے۔“ شاہدہ بیگم نے ایک
 خوشگوار سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”کیا مطلب“ بیگم شہاب نے چونکتے ہوئے استفسار کیا۔
 ”میرا مطلب طوسیہ سے ہے۔“ شاہدہ بیگم بدستور خوشگوار سی
 مسکراہٹ کے ساتھ بولیں مگر اس مسکراہٹ میں کچھ اسرار بھی نہاں تھا
 اور جمیل نے محسوس کیا کہ ان کے لہجے میں خاصہ طنز سا تھا
 ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“ بیگم شہاب
 ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولیں۔

”آپ کی مرضی نہیں ہوئی ورنہ میں نے تو چاہا تھا کہ فرما دیا

پر آجکے اور نبیلا میری ہو جائے۔ اب بھی فرناز حاضر ہے۔
 آپ سوچیے گا۔ "شاہدہ بیگم گہری سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے
 بولیں۔

"دھت ترے کی" جیل بڑھایا۔
 سب خاموش ہو گئے۔۔۔ اچانک شہاب صاحب کے کھڑے
 ہوتے ہوئے کہا۔

"شاہدہ بیگم ہم اگلے ماہ تک تمہیں دونوں باتوں کا جواب دینگے
 "بہتر ہے بھائی جان۔۔۔ میں انتظار کروں گی۔" شاہدہ بیگم بولیں۔
 شہاب صاحب کے جانے کے بعد بیگم شہاب اور شاہدہ بیگم
 بھی اندر چلی گئیں۔ نبیلا طوسیہ کے پاس تھی اور غامزہ بہر گیا ہوا تھا
 فرناز جیل کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اور جمیل کو فٹ سے
 منہ بسورہ ہاتھ تھا۔

فرناز۔۔۔ کے چہرے پر اچانک حیا کی سرخی دوڑ گئی۔۔۔ او۔
 وہ بری طرح شرانے لگی۔ جمیل نے غور سے اس کو دیکھا۔
 "کیا دیکھ رہے ہو؟" اس نے شرانے ہوئے پوچھا۔
 دیکھ رہا ہوں۔ کہ تم کو نسے ایسے اعصابی درد میں مبتلا ہو
 جو اتنی بری بری شکلیں بنا رہی ہو۔

فرناز جیل گئی، مگر زبردستی چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے
 بولی۔

”ہائے اللہ... تم نے سنا... جی کیا کہہ رہی تھیں۔“
 ”ہائے اللہ ہم نے نہیں سنا۔“ جمیل نے اسکی نقل اتاری اور
 پھر کچھ سوچتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ بولا۔
 ”تم کو شاید معلوم نہیں ہے کہ میرا ایکسٹرنٹ کے بعد سے دائیاں
 کان بیکار ہو گیا ہے اور تنہا ری میسی دائیں طرف بیٹھی تھیں...
 مجھے نہیں معلوم انھوں نے کیا کہا... مگر تم بتاؤ... تم نے تو سنا ہو گا۔“
 ”وہ کہہ رہی تھیں... کہ...“ فرناز نے رک کر کہا... کہ
 جمیل سے... جمیل سے...“

”جمیل سے فرناز کے دماغ کا آپریشن کرائیں گے۔“ جمیل
 نے جملہ پورا کر دیا۔

”نہیں،“ فرناز نے ایک اداسے کہا۔
 ”پھر کیا۔“ جمیل نے جھنجھلاہٹ کی شاندار ایکٹنگ کرتے ہوئے
 کہا۔ ”بس یہی ایک کر سکتا ہوں میں۔“
 ”اللہ... تم سمجھتے کیوں نہیں؟“ فرناز نے تشریلی سی مسکراہٹ
 کے ساتھ کہا۔

”اللہ تم سمجھاتی کیوں نہیں؟“ بھیل نے بھی اس کی کاپی کرتے ہوئے کہا۔

”وہ کہہ رہی تھیں“.....؟

”اچھا چھوڑو..... یہ بتاؤ... بازار میں کون کون سے پرنٹس نئے آئے ہیں۔ اور نئے ڈیزائن کی سب سے زیادہ کیا کہاں ہیں؟“ بھیل نے بات کاٹتے ہوئے موضوع بدلا۔

”کیسی باتیں کرنے لگے آپ“ فرناز چڑھ گئی۔

”سنا ہے۔ کہ عورتیں ایسی ہی باتیں پسند کرتی ہیں۔“

”ہے۔ مگر کوئی پسند ہی نہیں کرتا۔ سچ فرناز اب تو اپنے آپ کو پسند کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ہر لڑکی یوں بھاگتی ہے جیسے میں وہ ہوں۔ کیا کہتے ہیں... اسے جو بھونکتا ہے... ارے.. کیا بھلا سناں ہے۔... جو رات کو بڑی وفاداری سے پہرہ دیتا ہے...“ بھیل نے کپٹی کو دو باتے ہوئے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

”کتا... بھائی جان....“ اچانک غیلا نے طوسہ کے ساتھ

آتے ہوئے کہا۔

”ارے کتے کو بھائی جان.... بنا دیا“ بھیل نے بڑے پیار سے

انداز میں اداکاری کی۔

طوسیہ بے اختیار سکرادی۔

سکرانے کی نہیں ہو رہی.... جمیل نے نیلا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: تم آ کیوں گئیں یہاں بڑی بن کر... جاؤ... ہم اچھی اچھی باتیں کر رہے تھے۔

”ہاں تو فرناز ہم تمہارے گھر چلیں گے۔ دیکھو نا.... جب تم چلی جاؤ گی..“ تو.....؟“

”طوسیہ نے جاتے ہوئے صرف اتنا ہی سنا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔

اور لفظ.... تو... کے آگے جمیل رک گیا۔

”تو کیا....؟“ فرناز نے اشتیاق بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

”ٹھہرو ابھی آتا ہوں“... ڈائلاگ کی کتاب تو کمرے ہی

میں بھول آیا ہوں۔ اب بھول گیا... ابھی دیکھ کر آتا ہوں“ کہ ”تو“ کے آگے کیا ہے ”جمیل نے بے چارگی کے عالم میں منہ سورتے ہوئے کہا۔

نیلا ہنس پڑی۔ جمیل اپنے کمرے میں آگیا کھڑکی میں آکر اس نے دیکھا۔ فرناز اب تک وہاں پر ہی بیٹھی تھی۔

”تو... کہ آگے“ پھر ہے ”فرناز دیر جمیل نے نور سے کہا“

اب اپنے کمرے میں جاؤ۔ یعنی ٹائیں ٹائیں فٹش "فرناز جھلا کر اٹھی
 جیل دیوان پر نیم دراز ہو کر سگار سلگانے لگا۔
 "کیا میں اندر آ سکتی ہوں..." فرناز نے دروازے پر کھڑ
 ہو کر کہا۔

"مرگئے... جیل بیٹھے... جیل بڑ بڑایا: آئیے... آئیے"
 پھر وہ خوش خلقانی سے اٹھتے ہوئے بولا۔
 فرناز آگے بڑھی۔

اور اسی لمحے جیل کو احساس ہوا... کہ طوسیہ پردے کی آڑ
 میں کھڑی ان کی باتیں سن رہی ہے۔
 "آپ بہت سگریٹ پیتے ہیں" فرناز نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 "ہاں فرناز بس سگریٹ ہی تو ساقھی ہے۔" جنیل ایک
 طویل سرد سانس لیتے ہوئے بولا۔

آپ کی ذہنی حالت کچھ پرسکون نہیں ہے۔ میرا خیال ہے
 آپ ہمارے ساتھ لاہور چلیں۔ وہاں سے ہمارا پروگرام مری جانے
 کا ہے۔ یقیناً آپ کا دل لگ جائے گا۔ فرناز نے کھنکھاتی ہوئی
 آواز میں کہاں۔

"ہاں میں ضرور چلوں گا... کب جا رہے ہو تم لوگ... جیل پوچھا

”اگلے ہفتے... آپ مری جا کر بالکل تندرست ہو جائیں گے فربا نے آنکھوں کو کیشش بناتے ہوئے کہا۔

کوئی ایسی جگہ تباد و فراز... جہاں جا کر میں مر جاؤں... جھیل لے گھیرے بچے میں کہا۔

”ارے ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں“ فربا نے جلدی سے کہا۔
”دل چاہتا ہے۔ تم تو لفٹ ہی نہیں دیتیں۔ کتنے دنوں سے تم میرے کمرے میں بھی نہیں آئیں... اور مجھے دیکھ کر نہ جانے کیوں منہ پھیر لیتی ہو... اور شاید دل ہی دل میں مجھے کوستی رہتی ہو“ جھیل... طوسیہ کو سا کر کہتا رہا۔

اور فربا زنجیرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔
”آج جھیل کیسی اچھی باتیں کر رہا ہے“ فربا نے دل میں سوچا... اور ایک خوش فہمی میں مبتلا ہو گئی۔

جھیل کہتا رہا؟

یہ تکلف... یہ بے جا خود داری چھوڑو۔
اور طوسیہ کا غصہ سے برا حال ہو گیا۔ مکار... دغا باز...
فربا... دوہری بازی کھیلتا ہے۔ عاشق فربا... بکینہ... وہ سوچتی ہوئی تیزی سے اپنے کمرے میں آگئی۔

اس کے جانے کے بعد جمیل نے بے رحمی سے کہا: "جاؤ فرما
اب مجھے نیند آرہی ہے۔"
اور فرناز کچھ نہ سمجھتے ہوئے باہر نکل گئی۔

جمیل بہت دیر تک پر امید نظروں سے دروازے کھینچا
دیکھتا رہا۔ اسے توقع تھی کہ ابھی وہ دیوانی سی لڑکی آئیں
جھکائے آجائے گی۔ اور اس کے شانوں پر سر رکھ روئے لگے گی
مگر طوسہ نہیں آئی۔ اور جمیل نے تنگ آکر سوچا... شعور
وہ جو روٹھیں یوں مٹانا چاہیے
زندگی سے روٹھ جانا چاہیے

ڈرائینگ روم کا پردہ ہٹا کر طوسیہ نے اندر کا جائزہ لیا۔
اتفاق سے بزرگوں میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا۔

جیل۔ عامر۔ فرناز۔ نبیلا بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔
”آئیے... آئیے طوسیہ صاحب آپ ہی کی کمی تھی“ عامر نے
اس کو دیکھ کر ہانک لگائی۔

وہ بغیر کسی طرف دیکھتے آگے بڑھی۔ جیل نے مرکز کر اس کو
دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ طوسیہ کی نظروں میں وہی دیرانی قضا
تھی اس کی پریشان زلفیں آج کچھ اور پریشان ہو گئی تھیں۔

سفید فرکے کوٹ میں ہاتھ ڈالے کارکانوں تک کھڑائے۔
وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی طوسیہ میٹر
کے پاس آکھڑی ہوئی۔ اس کے سفید چہرے پر آگ کی تپش
بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

جیل پھر باتوں میں مشغول ہو گیا۔ چاروں طوسیہ کے وجود سے

غافل ہو گئے۔ اور طوسیہ دھیرے دھیرے سو گوارے موڈ میں
گنگنائے لگی۔

بڑا حال سیراجو سن پائے گا
خراں حنراں چلے آئے گا

”اوہ طوسیہ آج تو تم گارہی ہو۔ ارے بھی یہاں آکر
ہمیں بھی سناؤ نا“ عامر نے اشتیاق آمیز لہجے میں کہا۔
طوسیہ نہ جانے کیوں دھیرے دھیرے ان کی طرف بڑھی
اس کو آتا دیکھ کر جمیل اپنی جگہ سے اٹھ کر کچھ دور گوشے میں کھٹی
ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

تم لوگ سنو... ان کا گانا... میرا تو دل کمزور ہے... کہیں ان
کی پاٹ دار آواز سے دل کی دھڑکن نہ رک جائے۔
طوسیہ بڑی بوجھل سی مسکراہٹ لئے اس کی طرف بڑھی اور
اس کی کرسی سے پیچھے کھڑی ہو گئی۔

”جمیل....“ اس نے خوابناک سے لہجے میں کہا: ”اٹھ جاؤ
یہاں سے بھی.... اگر اٹھ سکتے ہو.... تو.... مگر تم ایسا نہیں کر
.... میں یہاں پر ہی کھڑے ہو کر سناؤں گی....“ اگر تم جاسکتے
.... تو جاؤ۔“

وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گئی۔
 جیل اس کو قریب پا کر ساری شرارتیں بھول جاتا ہے۔ وہ
 کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے سگریٹ پیتا رہا۔
 سب کی نظریں طوسیہ ہی کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔
 کتنی بادقار لگ رہی تھی طوسیہ.. کسی کو کچھ بولنے کی ہمت
 نہیں ہوئی۔ اور پھر اس نے گانا شروع کیا۔

میرے اس کبھی ہوئی زلف کو بھرا کے صنم
 کیا یہ سچ ہے کہ بہت دور چلے جاؤ گے
 وہ ایک لمحے کے لئے خاموش ہوئی۔ تو نبیلانے زور سے کہا
 ”ہاں.. واقعی بھیا... فرنا ز اور عامر کے ساتھ جا رہے ہیں“
 سب مسکرا دیے۔

مگر طوسیہ بدستور دونوں ہاتھوں سے اسکی کرسی تھامے گاتی رہی
 اس کی آواز میں بلا کا درد... جا رہا نہیں تھا... کمرے کی فضا
 پر ایک مدہوشی سی طاری تھی... اسے دیکھ کر ایسا ہی محسوس ہوتا
 تھا... جیسے سلگتے ہوئے ارمانوں کا لاوا پھٹ پڑا ہو
 ... اور دہکتے انگاروں نے ماحول کو مسحور کر دیا ہو۔
 گلے ہوئے نہ جانے کیوں وہ پھر ایک لمحے کے لئے خاموش

ہو گئی..... پلکوں پر لرزے ہوئے آنسو اس کے احساسات کی
ترجمانی کر رہے تھے۔

”بہت خوب... الفاظ اور آواز دونوں ہی پر سوز میں“
.... عامر نے داو دی....

جمیل نے بمشکل اپنے آنسو ضبط کئے اور طوسیہ وہ تو کبھی
کا ہاتھ میں پکڑے ہوئے رومال سے ان لرزے ہوئے آنسوؤں
کو جذب کر چکی تھی... کہ کسی دوسرے کو احساس ہی نہ ہونے دیا
تھا... ”چند لمحوں کے توقف سے اس نے پھر گانا شروع
کر دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی آواز پھر بھر اگئی۔ جمیل کے پاس
سے ہٹ کر وہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی اور اندھیرے میں دیکھتے
ہوئے گما سنے لگی.....

ڈرائنگ روم میں ایک بو جھل سی خاموشی چھائی ہوئی
تھی ہر کوئی گیت کے بول اور آواز کے درمیں ڈوب چکا تھا۔
پھر طوسیہ گاتے ہوئے دھیرے سے پٹی اب اس کی پشت کھڑکی
اجانب تھی۔ اور اس کی دیر، نظر میں جمیل پر جم کر رہ گئیں تھیں۔
جمیل کا سانس رکنے لگا۔ وہ گاتی رہی..... دیکھی دل کا

پیار کی آئینہ نش لئے ہوئے غم کی داستانوں... کھوکھلے ارمانوں
کی جتا.... وفا اور جفا کے ترانے۔

”تم گیت ختم ہو گیا مگر سب اس گیت کے کھر میں ڈوبے رہے۔
طوسیہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔

”طوسی کہاں جا رہی ہو... آؤ ہمارے پاس بیٹھو.. بیسلا نے
اس کو چونک کر آواز دی۔

دوسروں کو بول کرنے سے بہتر ہے کہ ان کی محفل سے اٹھ
جاؤ... طوسیہ نے رک کر دھیرے کہا...
”بور تو کوئی نہیں ہو رہا... اتنا پیارا گیت سن کر کون بھلا کو
کھا سکتا ہے“ فرنا نے متاثر کن الفاظ میں کہا۔

”بہت خوب... طوسیہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
دوسروں کی محرمیاں آپ کو پیاری لگتی ہیں۔ مگر..

۷۔ دوسروں کے درد کا احساس ہوتا ہے کسے
ہنس دیا کرتے ہیں گلِ بلبل کو روتا دیکھ کر
”آپ اتنی اچھی شاعرہ ہیں۔ آج ہیں معلوم ہوا ہے۔“ عامر
نے اس کی تعریف کی۔

”تمہیں نہیں معلوم یہ لو کہ کیا ہیں“ جمیل نے کہا۔

”یعنی اس کے علاوہ بھی اور صفات میں : عامر نے تجربہ کن
نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے استغفار کیا۔

”ان میں سارے ہی ایڈجیکٹوز

لگے ہوئے ہیں۔“ جیل نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

طوسیہ نے مرکڑا سے دیکھا... ایسے ہی انداز میں جیسے کہہ رہی ہو
”اڑالو مذاق اچھل... قسمت نے تمہاری ٹھوکر میں لگا دیا ہے

... ورنہ میں تمہیں اس کا جواب دیتی...

چند لمحوں کے توقف سے وہ آگے بڑھی۔

”ارے بھئی طوسی ہمارے پاس کچھ دیر بیٹھو نا“ نیپھلے اس
کا ہاتھ پکڑ کر پیار بھرے لہجے میں کہا۔

اچھا حضرات میں چلا سے جیل اٹھنے لگا۔

”اب بے بیٹھ... اترا مست زیادہ“ عامر نے بے تکلفی کے

ساتھ ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا۔

”بھئی یہ کیا بد ذوقی ہے۔ باتیں کرو نا... چلو... اپنی اپنی

پسند کا ایک ایک محرک بنائو۔ نیپھلے نے سب پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے
ہوئے کہا۔

میرا طرف سے طوسیہ صاحبہ سے حُسن بچیے جیل نے کیس

پھٹ پھٹاتے ہوئے کہا۔

”بھئی یہ نہیں خود سناؤ“ نبیل بولی۔

”مجھے تو انگریزی کے شعر یاد ہیں۔ جمیل نے جان چھڑائی۔“

”چلو وہی سنا دو“ عامر نے اس پر بھی نہیں بخشا۔

”اچھا چلو اردو کا ہی سن لو... ایک شعر اتفاق سے یاد ہے

... عرض کرتا ہوں۔“

۴۔ جب اتنی بے وفائی پر دل اس کو پا کر کرتا ہے

خدا جانے اگر وہ بادِ فنا ہوتا تو کیا ہوتا؟

”بہت خوب... بڑا اچھا شعر ہے... فرناز نے تعریف کی۔“

”اچھا اب تم سناؤ نبیل“ عامر نے کہا۔

”ابند بھی ہیں تو شعر یاد ہوتے ہی نہیں ٹھہرو۔ سوچتی ہوں

..... ہوں یاد آگیا... نبیل بولی۔“

۵۔ نکلا کرتا نہیں کچھ بھی تری نامہربانی کا

مجھے ظالم شکایت ہے خود اپنی عت جانی کا

”بڑا زور دار شعر سنایا ایل نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔“

”اب جناب کی باری ہے... جمیل نے فرناز سے کہا۔“

”شعرو شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں آپ ہی سنا دیں

میری طرف سے...“ فرنا نے شانے اچکاتے ہوئے کہا
 ”جی ہاں بکا ارشاد فرمایا۔ کیونکہ اس میں ذوقِ جمالی
 کی ضرورت ہے۔“ نیل نے مسخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
 فرنا نہ سن کر رہ گئی۔

اب تم سناؤ کچھ طوسیہ... شعر تو بہت سنا دیئے تم نے
 اور کوئی اچھا سا فلسفہ سناؤ الو۔

طوسیہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی... اور پھر یاس زدہ سی
 مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”یوں تو میں نے بہت سے فلسفے پڑھے ہیں مگر ایک چینی ذی
 کا فلسفہ بڑا دلچسپ تھا۔ اس نے کچھ اس طرح کہا ہے۔“

”ویرانے میں ایک شکستہ پھول کھلا... پیارا سا ٹکڑا ٹکڑا
 رنگ... خوشگوار بولے ہوئے... سارے دن پھول کو
 انتظار رہا... کہ کوئی محبت سے توڑ کر اسے بالوں میں بجا
 لیگا... مگر کوئی نہیں آیا۔“

پھر دن ڈھلے ایک گدھا آیا اور اس کو چر گیا.....
 طوسیہ بات کر کے کھڑی ہو گئی۔

”ارے...“ عامر زور سے ہنس پڑا جھیل نے بخجل

اپنی ہنسی ضبط کی نبیلا تو دیر تک سوچ کر سہماتی رہی۔ اور طویسہ
 ... وہ بے نیازی کے ساتھ جیبوں میں ہاتھ ڈالے باہر نکلی گئی
 اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی.... چال
 میں ایک تکنت ایک وقار سا تھا..... وہ آہستہ آہستہ کمرے
 میں داخل ہوئی.... چند لمحے دروازے کے قریب گہرے کچرے
 سانس لیتی رہی.... اور پھر تیزی سے بستر کی جانب بڑھی اور
 دوسرے لمحے وہ بستر پر گری... بسکیاں لے رہی تھی.... اسکی
 آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو بہہ رہے تھے۔

کمرے کے در و دیوار غمزہ سے تھے۔ کمرے کی فضا بھی گواہ
 سی تھی... اور اس ماحول میں وہ بھی ابوہ غم کا شکار تھی -
 پھر سیدکے بسکیاں ختم ہوتی چلی گئیں..... اور وہ خاموش
 ہو گئی ۴... مگر کمرے کی فضا اب تک سسک رہی تھی -... اور پھر
 وہ اس بات پر ایک طمانیت سی محسوس کرنے لگی.... کہ کوئی نہیں
 کمرے کی ہر چیز تو اس کے ساتھ ہے.....

اور یہ احساس انمول تھا... ایک ایسے انسان کے لئے
 جبکہ وہ زندگی کی قدروں سے مایوس ہو چکا ہو.....
 اور اس قیمتی احساس کے ساتھ وہ پرسکون ہو گئی... ایک نذرِ حقد
 سی شادی اس کے دلکش چہرے پر لرز رہی تھی -

طوسیہ اپنے کمرے میں دیوان پر نیم دراز تھی۔ کپٹا میں اس کو گھیرے ہوئے چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں۔

”کیا میں اندر آ سکتا ہوں“ طوسیہ صاحبہ ”اچانک عامر نے دروازے پر پڑے ہوئے پردے کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ وہ چونک پڑی... اور پھر جلدی سے اٹھ کر بیٹھے ہوئے بولی ”آئیے“ !

”کیا ہو رہا ہے؟“ عامر نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا ”کچھ نہیں... طبیعت ذرا سست سی تھی لہذا لیٹ گئی تھی“ طوسیہ خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”کیا آپ کو معلوم ہے... ہم پرسوں جا رہے ہیں۔“ عامر نے آہستہ سے کہا۔

”ہاں کچھ سنا تو ہے۔“ طوسیہ نے بدستور خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”عامر اس کی شیلف کے پاس کھڑے ہو کر کتابیں دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ مومن کا دیوان اٹھائے قریب آیا۔“
 ”کتنا عمدہ شعر اس نے کہا ہے؟“

۵۔ تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
 جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

”ہاں واقعی... بے حد عمدہ ہے...“ طوسیہ نے تائید کی۔
 ”عمدہ بھی ہے... اور حسب حال بھی“ عامر ایک مضمیٰ خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”کیا مطلب؟ طوسیہ نے سوالیہ انداز میں استفسار کیا؟
 ”مطلب یہ کہ مجھے بھی تم سے یہی کچھ کہنا تھا“ عامر سنجیدگی کے ساتھ بولا۔

”اپنی باتوں پر غور کرو عامر... تم نبیلا کے منگیتر ہو... تم کو مجھ سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں...“ طوسیہ نے ناخوشگواری کے ساتھ کہا۔

”نبیلا سے میری منگنی اس وقت ہوئی تھی۔ جب میں نے تم کو نہیں دیکھا تھا۔ اور اب میں تم کو اس پر ترجیح دیتا ہوں...“ عامر نے ایک دلکش سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”بہت خوب...“ طوسیہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ہو سکتا ہے میرے بعد تم کو کسی اور حین لڑکی کی موجودگی کا احساس ہو جائے تو اس کو مجھ پر فوقیت دو گے۔

”نہیں.... ایسی بات تو نہیں“ عامر گڑبڑا کر بولا...
 ”کیسے نہیں عامر... جب تم ایک کا دل توڑ سکتے ہو... تو کل مجھے ٹھکرانے میں کیا عار ہوگا... پر سو کسی تیسری لڑکی کو بھی دھوکا دینے سے نہیں چوک سکتے.....“

”پر غلوں رہنا سیکھو عامر... نبیلا تم کو مستدرجہ چاہتی ہے... مگر میں نے دیکھا ہے... تم ہمیشہ اس کا دل جلاتے ہو... تم مجھ سے ایسی ذلیل حرکت کی توقع نہیں رکھو... کہ میں تمہاری بہت افزائی کروں... اور نہ ہی مجھے تم سے امید ہے کہ زندہ ایسی کئی بات کرو گے“ طوسیہ نے چراغیا ہوئے کہا۔

”تم شاید اس لئے بات کو گول کر رہی ہو کہ تم کو جھیل پسند ہے“ عامر نے بات کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”میں کسی کو بھی پسند کرتی ہوں۔ اس سے تمہیں کیا مطلب... بس اس قدر ہی تمہارے لئے کافی ہے۔ کہ تمہیں کسی بھی صورت میں میں پسند نہیں کرتی۔ میرا تم کو پر غلوں مشورہ ہے... کہ نبیلا کے احساسات

کا احترام کرو۔ موجودہ رشتے کو کمزور کرنے کی بجائے اور مضبوط کر لو۔۔۔
 اس رشتہ سے تمہاری زندگی ہی کا نہیں بلکہ دو خاندانوں کے جیوت
 کا دار و مدار ہے مجھے امید ہے کہ تم میرا مطلب واضح طور پر سمجھ رہے
 ہو گے۔ طوسیہ نے قدرے نرم ہوتے ہوئے کہا۔

”ہاں... تم درست کہتی ہو طوسیہ... میں غلطی پر تھا۔“ عامر
 نے نظریں جھکاتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

”اچھا اب جاؤ نبیلا کے پاس... تمہیں ایسی باتیں مجھ سے
 نہیں نبیلا سے کہنی چاہئیں۔ اسے ان باتوں کی ضرورت ہے
 عامر!.. اب جاؤ میری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔“
 طوسیہ نے ایک خوبصورت سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
 عامر آہستہ سے ہاتھ ہلاتا ہوا نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد وہ رائیٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھی رائیٹنگ
 کھول کر اس نے لکھنے کو قلم اٹھایا ہی تھا کہ اچانک جمیل تیزی کے
 ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرف ہلکا ہوا۔
 ”سب سے آخر تم ہمارا گھر برباد کرنے پر کیوں تلی ہوئی ہو۔ میری زندگی
 تباہ کر کے اب تم بے چاری نبیلا کی راہوں میں رکاوٹ بن رہی ہو
 ... اس نے کیا بگاڑا ہے تمہارا... جو کچھ بدلہ لینا ہے... تم کو مجھ سے ملو“

”تم اس قدر بچ نکلو گی... یہ مجھے معلوم نہ تھا۔“ وہ اس کے قریب پہنچتا ہوا بولا...

”کیا ہوا...“ طوسیہ نے حیرت سے پوچھا۔

”عامریاں کیا کر رہا تھا“ جیل پھٹ پڑا۔

”اوہ“ طوسیہ تلخی سے ہنس پڑی۔

”بے شرم... شرمندہ ہونے کی بجائے ہنس رہی ہو۔“ ڈوب

مرو... اگر غیرت ہو تو... کیا زلفیں میں لڑکے نایاب ہو گئے ہیں جو

تم نبیلا کا حق مارنے پر تکی میٹھی پیڑ میں اپنے کمرے سے دیکھ رہا تھا

عامر تقریباً بیس منٹ تک یہاں پر رہا ہے... بولو... ان باتوں

سے آخر تمہارا مقصد کیا ہے“ جیل نے جھجھلاتے ہوئے کہا

”مقصد... تھوڑی دیر بعد معلوم ہو جائے گا... صرف چند

منٹ مزید انتظار کرو جیل...“ طوسیہ نے پرسکون لہجے میں کہا۔

”مجھے دھوکا مست دو... اگر واقعی تم عامر کو پسند کرتی ہو۔“

تو مجھے بتا دو... میں بڑوں سے بات کروں... اس طرح چھپ

چھپ کر ملنا زیب نہیں دیتا... بلکہ اگر کہو... تو عامر کے ساتھ تم کو

بیسویا جائے... جیل نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔

”کیا تم اپنی زبان بند نہیں کر سکتے : طوسیہ پوری قوت سے

جھج پڑی... اور پھر سبز سر رکھ کر سسکنے لگی...
بجیل کمرے سے نکل گیا۔

طوسیہ دینک اس الزام پر روتی رہی۔
”ڈیر طوسی... تم کتنی اچھی...“ نبیلا بھاگی بھاگی اس کے
پاس آئی۔

طوسیہ کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔
”ارے تم رو رہی ہو... میں تو تمہارا شکریہ ادا کرنے آئی تھی
عامر نے مجھے سب کچھ بتا دیا... تم بہت بلند ہو طوسیہ...
مگر تم رو کیوں رہی ہو طوسیہ مجھے بتاؤ نا“ وہ اس کا سر اٹھاتے
ہوئے بولی۔
کچھ نہیں یونہی اپنی بد قسمتی پر رو رہی تھی ”طوسیہ آنسو صاف
کر کے بولی۔

”پنکلی“ نبیلا نے اس کو گلے لگاتے ہوئے کہا اور پھوہ اسے
بہلانے کی کوشش کرتی رہی مگر طوسیہ کھوئی کھوئی سی رہی۔
نبیلا کے جانے کے بعد اس نے سیاہ مشال شاوؤں پر ڈالی پرس
اٹھایا اور چپکے سے باہر نکلی۔ گیٹ سے نکل کر وہ چلتی رہی۔
شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔ وہ قبوئی کے درختان

کھوئے کھوئے سے انداز میں چل رہی تھی اور ماں کی قبر کے پاس پہنچ کر بے قرار سی ہو گئی ۔

” ماں تم نے مجھے دوسروں کے طعنے سننے کیلئے کیوں چھوڑ دیا ... دیکھنا ... میں نیکیاں بھی کرتی ہوں تو گالیاں مٹی ہیں ... ماں تم ہی بناؤ میں کیا کروں ... اچھی ماں مجھے گلے لگاؤ ... ” وہ دیوان کی مانند قبر سے باتیں کرتی رہی ... اور ہر شب رات کی تاریکی گہری ہونے لگی ۔ تو وہ گھبرائی ...

اس کا ذل تو نہیں چاہ رہا تھا ۔ کہ وہ اس اسی گھلوٹ جائے لیکن جمیل کے گھر کے سوا اب وہ کہاں جاسکتی تھی ۔

جونہی وہ برآمدے میں داخل ہوئی ۔ جمیل سے ٹکرائی ۔ جمیل ستون کا سہارا لئے کھڑا تھا ۔

” کس سے ملنے گئیں تجھیں “ اس نے طوسیہ کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیا ۔ وہ کچھ شرمندہ سا تھا ۔

” تم کو کیوں بتاؤں ؟ طوسیہ کے منہ سے نکلا اور دوسرے مجھے وہ آگے بڑھ گئی ۔

” مئی ڈرائیونگ روڈ میں تمہارا انتظار کر رہی ہیں “ جمیل نے اس کو جاتے دیکھ کر زور سے کہا ۔ میں بھی ابھی تمام اسپتالوں

اور قانون میں آپ کو دیکھ کر آ رہا ہوں ۔

مگر طوسیہ چند ثانیے ٹھٹھک کر بے نیازی کے ساتھ آگے
 بڑھتی چلی گئی۔ ڈرائیونگ روم میں بیگم شہاب شاہدہ بیگم اور
 فرناؤ بیٹھی تھیں۔ بیلا ایک طرف بیٹھی رہ رہی تھی۔ عامر فون پر
 پولیس اسٹیشن سے بات چیت کر رہا تھا ۔

اور شہاب صاحبہ اسکی تلاش میں گئے ہوئے تھے
 طوسیہ کو سنبھالیں جھپکا جھپکا کر دیکھا۔ ایسے ہی انداز
 میں جیسے ان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔ بیلا بکھرتی اس
 سے دوڑ کر لپٹ گئی وہ بے تھا سارو رہی تھی ۔

”کہاں گئی تھیں طوسیہ“ بیگم شہاب کے چہرے پر رونق پائی
 ”مئی کے پاس“ طوسیہ نے مصو بہت سے کہہ

۔ اس وقت جانے کا کیا تک تھا۔۔۔ اور اگر جانا ہی تھا

تو بتا کر جاتیں؟ شاہدہ بیگم بولیں ۔

پھر وریک طوسیہ کی گمشدگی۔ بلکہ غیر موجودگی جو اس کی
 گمشدگی کا باعث سمجھی گئی تھی۔۔۔ اس پر آئے ہوئے بھونچل کو
 دھیرایا جاتا رہا طوسیہ خاموشی سی سنتی رہی ۔

”خاید تم کو نیند آ رہی ہے۔ جاؤ جا کر آرام کرنا اب بیگم شہاب

۲ اس کی جھکی جھکی نظریں دیکھ کر کیا ۔
 طوسیہ خاموشی کے ساتھ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی ۔
 چند لمحے وہ کچھ سوچتی رہی ۔ اور پھر اپنے رائٹنگ ٹیبل کی جانب
 بڑھ گئی ۔ صبح کا کھلا ہوا صفحہ اب تک اسی حالت میں پڑھا ہوا تھا
 طوسیہ نے ایک ہاتھ سر پر ٹیک کر دوسرے ہاتھ سے لکھنا شروع
 کیا

بھیل !
 تمہارے الفاظ اب تک میرے کانوں میں گونج رہے
 ہیں ۔ میں اس قدر عظیم ترناؤ کے لئے تمہارا شکریہ ادا
 کرتی ہوں ۔ خایہ کہ تم یہ جان کر شرمندہ ہو... کہ اس وقت
 میں عام کوئیلہ کے قریب لانے کی کوشش کر رہی تھی
 مجھے ٹیبل اتم سے زیادہ عزیز ہے ۔

بھیل !
 میں غریب ضرور ہوں ۔ مگر ذلیل نہیں ۔ تم نے میرا
 بہت مذاق اڑایا ہے ۔ میں اس وقت سے مسلسل
 رو رہی ہوں... جب پہلی مرتبہ تمہاری کار سے
 ٹکرائی تھی ۔ سوچتی ہوں نہ جیسے کیوں وہ ٹکری ہوئی تھی ۔

مجھے تمہارے گھر نہیں رہنا چاہیئے... اس بات
 کا مجھے شدت سے احساس ہے... اور شاید
 اسی لئے تو میں تمہارے ظلم برداشت کر رہی ہوں
 تم نے بھی کیسا کھیل میرے ساتھ کھیلا۔
 پہلے میری خوابیدہ اسیدوں کو جگایا اور پھر...؟
 پھر مجھے نظروں سے گرایا۔ اس سے شاید تمہارا
 مقصد بے سہاروں کا مذاق اڑانا تھا۔ بہر حال میں
 تمہاری ممنون ہوں۔

اچھا، جیل خدا حافظ

فقط؟

طوسیہ

جیل کا دل کلینک جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ نہ معلوم کیوں
ایک گھبراہٹ سی اس کو محسوس ہو رہی تھی۔ طوسیہ سے نظریں ملنے
ہوئے بھی کترار ہوا تھا۔

اسے شاید اپنی زیادتیوں کا احساس تھا۔ رات عامر نے اس
کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ تب سے وہ خود کو بری طرح کو س رہا تھا۔
”کیا طوسیہ مجھے معاف کر دے گی، اس نے کلینک جاتے
ہوئے سوچا۔

”تم بھی کس قدر سنگدل ہو جیل۔ دل نے شکوہ کیا۔ طوسیہ کو
سہارا دینے کی بجائے تم نے اسے انجانی راہوں پر پھینکنے کے لئے
تنہا... چھوڑ دیا۔“

”کیا خطا تھی اس کی؟“

”کیا گناہ تھا اس کا...؟“

اسے گلے لگا لو جیل... طوسیہ بے حد معصوم ہے اسکو

خلوص کی ضرورت ہے۔ وہ محبت کی تلاشی ہے۔
 جاؤ اس کا سہارا بنو۔ جاؤ اس کو محبت دو۔۔۔ اس
 سے اپنی زیادتیوں کی معاف مانگ لو۔۔۔ تم نے اسے بہت
 ستایا ہے۔۔۔ بے حد پریشان کیا ہے
 ”اچھا جمیل گاڑی کلینک کے باہر کھڑی کرتے ہوئے بڑبڑایا“
 کلینک سے جاتے ہی میں اس سے کہہ دوں گا۔ کہ طوسیہ
 آپس کی رنجشوں کو بھول جائیں۔ اور نئے سنہرے سے رشتے استوار
 کریں۔
 ”میں اس سے صاف صاف کہہ دوں گی کہ میں تم سے ناراض
 رہ کر کبھی ناراض نہیں رہتا تھا۔
 اور میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا طوسیہ۔۔۔ آؤ۔۔۔
 دکھوں کا لبادہ اتار پھینکو۔۔۔ بہنو قہقہے لگاؤ۔۔۔ اپنی تمام گھنوں
 اور رنجشوں کو میرے دامن میں ڈال دو“
 وہ ایسی ہی باتیں سوچتا ہوا مریضوں کو پٹا تار رہا۔ مگر ایک عجیب
 سے اضطراب کا عالم اس کو مسلسل بے چین کرتا رہا۔ اس کو ایسا
 ہی محسوس ہوا۔۔۔ جیسے اس کی روح سخت اذیت میں مبتلا ہے
 مریضوں سے فارغ ہونے کے بعد ان خیال رت سے توتیر

ہٹانے کے لئے ایک میگزین کو دیکھنے لگا... گردن طوسیہ کا ہی
طواف کرتا رہا۔ طوسیہ نے اس رات کتنی ادا اس نظروں سے
اس کی جانب دیکھ کر گایا تھا۔

۵ کیا میرے جرم و خطا مجھ کو نہ بتلاؤ گے
کیا یہ سچ ہے کہ بہت دور چلے جاؤ گے
جیل کو یوں لگا جیسے پر شکوہ نگاہوں سے اب بھی اسکی
طرف دیکھ کر یہی کہہ رہی ہو۔

”نہیں طوسی...“ جیل نے دھیرے کہا۔
”میں اب تم کو تنگ نہیں کروں گا... تم اپنے کمرے میں سو جاؤ۔“
کھڑی ہوگی... اور پھر میں... وہ آنے والے واقعات کو ذہن
میں ترتیب دینے لگا۔ پھر تصور میں اس نے دیکھا۔
وہ چپکے سے طوسیہ کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔
”طوسی ڈیر...“ اس نے پیار سے پکارا۔

”ہوں“ طوسیہ نے مٹے بغیر منکارا بھرا۔
”اگر آنکھوں میں ندامت کے افسوس ہوں...“ ہنٹوں پر معذرت
ہو۔ اور سر سجدے... تو خدا کو بھی پیارا جاتا ہے۔ وہ عمر بھر
کے گناہ بخش دیتا ہے۔“

”کیا تم صرف ایک گناہ معاف نہیں کرو گی۔ جمیل اسکے قد کو
میں جھگ گیا۔

طوسی ٹپٹی۔

جمیل کی آنکھوں میں آنسو جھلکا رہے تھے۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا
”چنگے...“ طوسی نے مسکرا کر ایک شالوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”مجھے معلوم ہے میرا دل جلا کر تم بھی خوش نہیں رہتے۔ معافی تو
مجھے مانگنی چاہیے کہ میں تمہاری زندگی میں حادثات لیکر آئی۔
میں نے تمہاری کامیاب پرست جیات میں اشکوں کے
دیپ علاویے۔“ طوسی نے جمیل کا سر جھکا ہوا تھا۔ اٹھایا اور
اس کے آنسو اپنے اپنے آنکھ میں جذب کر لئے۔
اور پھر دونوں مسکرا دیئے۔

”طوسی۔ جمیل نے دھیرے سے کہا۔

”موتوں کے بعد ایک ساتھ مسکرائے ہیں۔ کسی کو معلوم تھا کہ
سو کھے ہوئے گل بھی مسکرا سکتے ہیں۔ اس نئی زندگی کے لئے میں
ممنون ہوں۔“ اس نے طوسی کے بالوں پر اپنے کاپتے ہوئے
ہونٹ دکھائیے۔

مرجھائے ہوئے پھول بھی کھل اٹھتے ہیں جمیل... مگر شرط

یہ ہے کہ کوئی ان کو گلے لگا لے : طوسیہ نے کھوئے کھوئے
سے محبت بھرے لہجے میں کہا ۔

پھر وہ دیر تک پیاری پیاری باتیں کرتے رہے ۔
جمیل کہہ رہا تھا
”طوسیہ میں تم کو لیکر بہت دور چلا جاؤں گا برف پوش

پہاڑوں کے قدموں میں ہمارا اچھوٹا سا گھر ہو گا ۔ تم کو برف کے
سپید سپید گالے بے حد پسند ہیں نا ۔۔۔ بس تم ان سے
کھیلا کر نا ۔۔۔۔ !

”میں تمہارے لئے بہت سے دیوان جمع کر دوں گا
تم مجھے : پڑھ کر سنایا کر نا ۔ دکھتی وا دیوں کی کہانیاں حسین نظر
کے قہقہے بس ایسی ہی جگہ ہم بھی رہیں گے اور شام کو برف
کے نرم نرم گالوں کو سیر سے دباتے ہوئے دور نکل جایا
کر س گئے !

”تمہاں قدرت ہم سے قریب تر ہو گی ۔ میں برف پوش
پہاڑوں کے سامنے کھڑا ہو کر ولیم ورڈز کی نظمیں پڑھا
کر دوں گا ۔ اسے بھی تو قدرت کے حسین منہ نظر سے عشق تھا ۔
”بولو طوسی ۔۔۔ تم میرے ساتھ چلو گی نا ۔ اس نے طوسیہ کے بازو کو ہونٹ

سے دباتے ہوئے کہا۔

”ہاں جمیل مجھے ٹھنڈا ٹھنڈا موسم بے حد پسند ہے کبھی تو میرا دل چاہتا ہے اس قدر سردی پڑے..... اس قدر کہ میرا دل غم سجد ہو کر رہ جائے۔“

میرا دل چاہتا ہے کسی ایسے برفانی علاقے میں کسی پہاڑ کی چوٹی پر کھڑی ہو جاؤں اور پھر برف باری ہونے لگے۔ یہاں تک کہ میں برف میں ڈھنپ جاؤں۔

اور پھر دیکھنے والوں کو ایسا لگے جیسے پہاڑ کی مخروط اور خود سر چھوٹی کچھ اور بڑھ گئی ہو۔ طوسیہ نے خوابیدہ سے ہجہ میں کہا۔

”تمہارے یہ فلسفے“ جمیل مسکرا دیا۔ اپنی تو محدود عقل میں نہیں آتے۔

”چھوڑو.... جمیل سمجھنے کی کوشش بھی نہ کرو تم تو اپنی باتیں کرو پھر کیا کرو گے؟ طوسیہ نے بدستور جواب دہ سے پہچے میں کہا۔

”پھر“ جمیل نے بچوں کی طریت کے تصور اُتی گھونٹے بنائے۔ پھر ہم دنیا کی سیر کو جائیں گے۔

مصر کی تاریخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے الہ

کے غاروں میں اتر کر دیویوں کو تلاش کریں گے۔
وینس کے مجسمے کو تعظیم دیں گے۔ روم کو سلام
کریں گے۔

”اور کیا... ڈاکٹری... ڈاکٹری... چھوڑ دو گے؟“
طوسیہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

”ہاں طوسیہ روح صرف کتابوں کے عالم سے ہی تسکین نہیں
پاتی۔ کھنڈروں اور توارنخی غاروں بھی عیلم کے خزانے
دفن ہیں۔ اگر کوئی عمیق نظر سے دیکھے تو...؟“
جمیل نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔
”پھر کیا کرو گے۔“ طوسیہ نے مسکرا کر پوچھا۔

”پھر تمہاری پوچھا۔“

”ہت... تم علی دور میں بھی بت پرستی کی باتیں کر رہے ہو۔
بخترت جناب جمیل صاحب یہ انیس سو جہت پر ہے کیا سمجھے“
طوسیہ نے پیار بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مکرار کیا۔
”پوچھا تو رہتی دنیا تک ہوتی رہے گی طوسیہ“ دل دنیا کی سب سے
بڑی عبادت گاہ ہے۔ اور پیار سب سے بڑی عبادت ہے۔
”اور اس پیار ہی کو پوجا کہا جاتا ہے۔“ جمیل نے اس کے بالوں

سے کھیلتے ہوئے کہا۔
 ”کیا کہنے آپ کی شاعری کے کس کی شاگردی کی ہوئی ہے
 جناب نے“ طوسیہ نے چھیڑا۔

”جنابہ کی“ جمیل نے برجستہ کہا۔
 ”لیکن میں تو شاعری کی ایجاد سے بھی واقف نہیں ہوں۔ طوسیہ کرائی
 ”تم تو سراپائے غزل ہو طوسیہ مجھے تو میرے کلام کا سارا سونہ
 تمہاری دیران آنکھوں میں نظر آتا ہے“ جمیل نے گھبر سے لہجے
 میں کہا۔

”آج تمہیں ہو کیا گیا ہے... واقعی ہی تم جمیل ہو؟ مجھے تو
 شک ہو رہا ہے“ طوسیہ چند قدم پیچھے ہٹ کر اسکو دیکھنے لگی۔
 ”ہاں طوسیہ...“ جمیل اس کے ملتے پر بکھری ہوئی زلفوں کو
 ہٹا کر بولا۔ ”میں جمیل ہی ہوں اور اب میں نے اپنے سابقہ رویے
 کا اعادہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے

”اب میں تمہیں کبھی تنگ... نہیں کروں گا۔ ہم تو نہی زندگی
 کے آخری سانس تک ایک دوسرے سے قریب رہیں گے۔
 ”میں تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی کلیاں سجا دوں گا۔
 رزتے ہوئے آنسوؤں کو جن کران پر اپنے پیار کا تلخ محل بناؤں

منزل سے بھی آگے۔ جہاں جا کر تم اپنے پچھلے تمام دکھ اور
محدودیوں کو بھول جاؤ گی۔ "بوہو طوسی" طوگی نا۔" ہچیل نے حد
درجے محبت بھرے لہجہ میں اسکی جانب دیکھتے ہوئے کہا
"ہوں" طوسیہ نے اپنا سر اس کے شانوں سے ٹکا دیا۔
اور ہچیل کی ہلکیں بو بھیل ہو گئیں۔ مستقبل کے سنہرے خواب سکے

ذہن کو جگمگانے لگے۔ مگر پھر تھوڑی دیر کے بعد گہرا کر آنکھیں کھول دیں
نہ طوسیہ ہی تھی۔ اور نہ اس کا کمرہ وہ کلینک میں بیٹھا بیٹھا
اونگ گیا تھا۔ ہچیل نے اپنے شانوں کی طرف بوکھلا کر دیکھا۔
تو بھی اس کو طوسیہ کا سر نظر نہیں آیا۔

البتہ اس کے گلے میں اسٹیتسکوپ لٹک رہا تھا۔
ایک کلینا... جو ایک جھمکتے ہی غائب ہو گئی...
ایک تصور جو کبھی کا حرف غلط کی طرح مٹ چکا تھا۔ ایک خیال
جو چند ہی لمحوں میں مسرت سے ہم کنار کر کے زائل ہو چکا تھا۔
ہچیل دھیرے سے مسکرا دیا۔

اور پھر انتظار کرنے والے مریضوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔
طبیعت کا اضطراب اب تک باقی تھا۔ ذہن کے نہ جانے کونسے
تاریک گوشے سے اداسی نکل کر اس پر چھائے جا رہی تھی۔ اور

سربھاری ہونے لگا تھا۔

وہ جلد از جلد گھر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ آج وہ فیصلہ کر چکا تھا
... جس طرح بھی ہو وہ طوسیہ کو منائے گا... اس سے معافی مانگے گا
اس سے زندگی بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ کرے گا... اور جب وہ جا
تو؟ وہی ہوگا... جواب کے کچھ دیر پیشتر وہ سوچ رہا تھا۔

صبح کے ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد جب سب اٹھنے لگے
 تو طوسیہ نے بیگم شہاب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
 "خالہ جان مجھے آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔ کونسا
 وقت بہتر رہے گا۔"

"ارے ہاں میں بھی تم سے کچھ باتیں کرنا چاہ رہی تھی۔ اچھا
 تم نے یاد دلادیا۔ دوپہر میرے کمرے میں آ جانا۔ بیگم شہاب
 خفیف سی سکر اسٹ ہو نمٹوں پر لاتی ہوئی شفقت بھرے ہجے
 میں بولیں۔"

"بہتر ہے میں حاضر ہو جاؤں گی۔" طوسیہ دھیرے سے سرگوشی
 دیتے ہوئے بولی اور کھڑی ہو گئی۔

طوسیہ ڈائننگ روم سے نکل کر جمیل کے کمرے میں آئی۔
 جمیل کلینک گیا ہوا تھا۔ طوسیہ نے خط اس کے ٹیکے کے نیچے
 رکھ دیا۔ اور ایک گہری نظر کمرے میں ڈالتی ہوئی۔ آمہ سے آمہتہ قدموں

باہر آگئی

”ہیلو طوسیہ۔ کہاں تھیں بھی میں ابھی تمہارے کمرے میں دیکھ کر آ رہا ہوں“ سانسے سے آتا ہوا عامر طوسیہ کو دیکھ کر بولا۔
”کیوں خیریت تو ہے نا“ طوسیہ بھیک سی سکر امیٹ
ہو نہٹوں پر لٹے ہوئے بولی۔

خیریت ہے یوں ہی آگیا تھا۔ کل ہم لوگ جا رہے ہیں سوچا
معلوم نہیں پھر کب ملاقات ہو۔ عامر نے جواب دیا۔
”نبیلا کو کب تک بلانے کا ارادہ ہے“ طوسیہ نے عامر کے
چہرے پر اچھی سی نظر ڈالی اور آگے بڑھنے لگی۔

”جلد ہی بلارہا ہوں۔ عامر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
عامر طوسیہ سے باتیں کرتے ہوئے اسکے کمرے تک پہنچ گیا۔
اگر بیٹھنا چاہتے ہو تو اوڑھ طوسیہ دروازے کا پردہ اٹھا کر
کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

”خیال تو یہی تھا۔ آپ کے ساتھ کچھ وقت گزار کر مستفیض ہوتا
میرا مطلب ہے کچھ حاصل کرنا۔ عامر کمرے میں داخل ہوتے
ہوئے بولا۔

”خوب۔ گویا میں بھی کوئی سیر فقیروں کو تمہیں کچھ دوں گی۔“

طوسیہ عامر کی بات پر بے ساختہ ہنس پڑی۔
 "تم نے مجھے بہت کچھ دیا ہے طوسیہ۔ میں کسی گم کردہ راہ کی
 مانند بھٹکنے لگا تھا۔ تم نے مجھے راستہ پر ڈال دیا ہے۔ میں زندگی بھر
 تمہارا ممنون رہوں گا۔" عامر گردن جھکاتے ہوئے بولا۔
 "گزری ہوئی باتوں کو بھول جاؤ عامر۔ طوسیہ مالتے ہوئے بولا
 تھوڑی دیر کے لئے مکرے میں گہرا سکوت چھا گیا۔ دونوں
 ہی خاموش تھے۔ طوسیہ کے چہرے پر غور و فکر کی لکیریں نمایاں تھیں۔
 عامر اس کے ادا اس چہرے کو غور سے دیکھنے لگا اور طوسیہ یوں
 بیٹھی تھی گو یا مکرے میں اس کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔
 آج کل آپ کچھ فکر مند نظر آ رہی ہیں۔ کچھ دیر کے بعد آخر عامر
 ہی نے گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا۔
 "جی...۔" طوسیہ بے ساختہ چونک پڑی اس نے ایک لمحہ عامر
 کی جانب دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔
 "اگر مناسب سمجھیں تو مجھے بتائیں۔ میں ہر ممکن مدد کا یقین
 دلاتا ہوں۔" عامر آہستہ سے پر غلوں سے لہجے میں بولا۔
 "میری فکر نہ کرو۔ میں بد نصیبوں کے درمیان پیدا ہوئی اور اسکے
 ساتھ ہی دفن ہو جاؤں گی۔" طوسیہ ایک سوسائٹ بھرتے ہوئے بولی

آپ کے متعلق میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ آپ کا نام طوسیہ ہے۔" عامر سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

اس سے زیادہ تو میں خود بھی نہیں جانتی... سوائے اس کے کہ میں اس بھری دنیا میں اکیلی ہوں۔ ایک گھر تھا جو زیادہ ہو گیا۔ زندگی نہ جانے کیوں برقرار ہے اب تک... طوسیہ نے ایک طویل سوسائٹس لیتے ہوئے جواب دیا۔

کیا کوئی بھی نہیں ہے آپ کا۔ عامر نے حیرت سے پوچھا۔
 "ہیں تو بہت... سینکڑوں غم... لا تعداد الجھنیں اور بے شمار تفکرات... میرے قریبی رشتہ دار ہیں۔ طوسیہ کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ نمایاں ہو گئی۔

"جیل سمجھتا تھا۔ آپ ہمیشہ یہیں رہیں گی۔" عامر نے پوچھا۔
 "نہیں... عامر میں بہت جلد یہاں سے چلی جاؤں گی۔" طوسیہ کے ہونٹوں کی تلخ مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

"کیوں۔ کیا یہاں آپ کا دل نہیں لگتا؟"

"دل تو دیرالوں میں بھی لگ جایا کرتا ہے۔"

"تو پھر آخر یہاں آپ کو کیا تکلیف ہے؟" عامر نے پوچھا۔

"میں دیکھ رہی ہوں۔ میرے یہاں رہنے سے جیل کی سخت پرہیز

اتر پڑھا ہے۔ "طوسیہ عجیب لہجے میں بولی۔
 "عجیب بات ہے۔ پھر جمیل تو ہمارے ساتھ جا رہے ہیں۔"
 "مجھے معلوم ہے۔ وہ میری ہی وجہ سے جا رہے ہیں۔"
 "یہ تمہاری نادانی ہے طوسیہ۔۔۔ جمیل تم کو بے حد پسند کرتا ہے
 میری اس سے جب بھی گفتگو ہوتی ہے۔ وہ تمہارا ہی تذکرہ کرتا
 رہتا ہے۔"

"ذکر تو دشمنوں کا بھی کیا جاتا ہے لیکن اس سے یہ اظہار تو
 نہیں ہوتا کہ وہ پسند کے قابل ہے۔"
 عار طوسیہ کے اس جواب پر خاموش ہو کر رہ گیا۔ طوسیہ بھی اپنے
 خیالات میں گم ہو گئی۔ ماحول پر ایک بار گہرا سکوت طاری ہونے لگا
 کہ اچانک نبیلا کمرے میں داخل ہوئی
 "ارے تم لوگ یہاں بیٹھے ہو۔ میں آؤ ازیں دے دے دیکر تھک
 گئی۔ چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ شاپنگ کے لئے جانا ہے۔"
 "کیا دلاؤ گی ہمیں؟" عامر مکراتے ہوئے نبیلا کی جانب دیکھ کر بولا
 "جو پسند کرو۔" نبیلا نے اسے حجاب آلود نظروں سے دیکھا۔ اور پھر
 وہ طوسیہ کے قریب آتے ہوئے بولی، "ڈیر تم بھی جلدی کرو۔"
 تم لوگ ہو آؤ کبھی۔ میرا دل نہیں چاہ رہا۔ فرناز کو ساتھ

لے جاؤ۔ وہ گھر میں آکیلے بورے ہو گئے۔
 ”اچھا چسپی تھوڑی تھی۔“ اگر ملاقات ہو گئی۔ ہیلے کے ہونٹوں پر
 خفیت سی مسکراہٹ ابھرائی۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد طوسیہ نے صوفہ کی پشت سے سر
 ٹکا دیا اور کھوئے کھوئے سے انداز میں چھت کو گھور رہنے لگی۔
 اس کے چہرے پر بے چینی اور اضطراب کی کیفیت نمایاں تھی اس کا
 دل چاہ رہا تھا کہ اسی وقت گھر چھوڑ کر چلی جائے
 ”ننگ کہاں؟“ کہاں جاؤ گی طوسیہ؟ یہ دروازہ تو تم پر بند
 ہو چکا ہے۔ وہ بوسیدہ سا گھر جس کے دروازے پر اب انک
 قفل لٹک رہا ہوگا۔ تمہارا انتظار کر رہا ہوگا۔ جاؤ طوسیہ یہیں
 جاؤ کہ وہی تمہاری پناہ گاہ ہے۔ وہیں تمہیں سکون مل سکیگا۔
 وہ وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بڑبڑاتی۔

یہ اونچے شہستان تھیں اس نہیں آئیں گے۔ یہ ہمیشہ
 اسی طرح تمہاری عجوبیوں کا مذاق اڑاتے رہیں گے۔ یہ بنگلہ تمہارے
 زخموں کا مرہم نہیں۔ اس کے در و دیوار تمہارے دکھوں پر
 قہقہے لگاتے رہیں گے۔ ”بھاؤ... وہیں لوٹ جاؤ... کہ وہ
 کمزور شکستہ سی دیواریں۔ تمہارے غموں کو اپنانے کے لئے

مضطرب ہیں۔ تم وہاں کی تنہائوں کو اپنا عکسار بنا سکتی ہو
یہاں تم گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گی۔ کیوں دوسروں پر بوجھ بن کر رہ
گئی ہو۔

وہ کراہ کر رہ گئی چند لمحے سر کو ہاتھوں سے تھامے کچھ جیتی
رہی۔ پھر جیسے وہ کسی فیصلہ پر پہنچ گئی۔ اس نے میز پر سے رہنمائی
اٹھایا اور نکلنے لگی۔

”خالہ جان“

آداب عرض میں نے سوچا تھا۔ آپ سے گفتگو کروں گی
لیکن خود میں اتنی ہمت نہیں پا رہی کہ آپ کے سامنے بیٹھ کر
کچھ کہہ سکوں۔ اسی لئے قلم کا سہارا لے رہی ہوں۔
آپ نے کہا تھا کہ جب تک میرا دل چاہے میں یہاں رہوں
اور جب چاہوں جا سکتی ہوں۔

خالہ جان۔ اب میرا دل جانے کو چاہتا ہے۔ اس سے پہلے
کہ آپ کے گھر کی حالات میری وجہ سے بگڑ گئیں میں یہاں سے
چلی جانا چاہتی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ میرا نسخہ سلیا آپ کے
گھر کی تباہی کا باعث بن جائے۔

کہتے جاتے اتنا عرض کروں گی فرنا زکا رشتہ جمیل کے لئے

قبول کر لیں۔ یہ رشتہ یقیناً دونوں خاندانوں کے لئے خوشگوار ثابت ہوگا۔

آپ کو یاد ہوگا۔ جیل نے ایک مرتبہ مجھے ٹھکرا دیا تھا۔ میرا گھر... میری ماں... میری خوشیاں۔ سب جیل کی ٹھوکر سے مٹ گئیں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ گزرے ہوئے حادثہ کو بھلا دوں لیکن اپنی اس حساس طبیعت کا کیا کروں دل کے ہر گوشے کے کوئی پکارتا ہے کہ جیل ہی میرے گھر کی بربادی کا باعث بنا ہے۔

اور بالی لہجان نبیلا اور عامر کو جلد از جلد شادی کی ڈوری میں باندھ دیجیئے گا۔ اور جیل سے اتنا ضرور کہہ دیں کہ اب اس کو گھر سے کہیں اور جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی میں اس کی راہ سے خود ہی ہٹ رہی ہوں۔

میں کہاں جا رہی ہوں۔ کچھ نہیں جانتی۔ میرے لئے دعا کیجیئے۔ آپ کے اچھے سلوک میں کبھی فراموش نہیں کر سکوں گی خالوجان سے میرا پر عقیدت سلام کہہ دیجیئے گا۔

آپ کی بد نصیب طوسیہ

طوسیہ نے یہ لکھا ہوا خط پیڑ سے علیحدہ کر کے ایک طرف رکھا۔ اور پیکوں پر آئے ہوئے مشکوں کو آٹھل میں جذب کرتا

ہوئے دوبارہ لکھنے بیٹھ گئی۔

نبیلا ڈیر !

جب تم شاپنگ کر کے لوٹو گی۔ تم مجھے نہ پا کر آوازیں دو گی
لیکن اس وقت میں تم سے بہت دور جا چکی ہوں گی مجھے بھول
جانا نبیلا۔ اور فرناز کو اپنی بھابی بنا کر لے آنا۔

اس سے پہلے کہ تم واپس آ کر مجھے روک لو۔ میں جا رہی ہوں
کہا سنا مٹا کر دینا۔ خدا حافظ

تمھاری اپنی طوسیہ

خط لکھنے کے بعد طوسیہ نے ایک طویل سانس لی۔ الوداعی
نظر کمرے میں ڈالتی ہوئی تیزی سے باہر نکل آئی۔ جیل کے
کمرے کے سامنے ایک لمحہ کے لئے ٹھکی اور پھر آگے بڑھ گئی۔

بیگم شہاب کچن میں با درچی کو دوپہر کے کھانے کے متعلق ہدایت

دے رہی تھیں۔ نبیلا وغیرہ تو بازار جا ہی چکی تھیں۔ طوسیہ نے
موقع غنیمت جانا اور تیزی سے گیٹ کے باہر نکل آئی۔

سڑک پر اگلی طوسیہ نے ادمر ادمر نظر دوڑائی اور ایک خالی

گرتی ہوئی ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے روک لیا۔ ٹیکسی
کے رکتے ہی وہ تیزی سے اسکی طرف بڑھی اور دروازہ کھولا۔

اپنے پرانے گھر کا پتہ بتاتے ہوئے پچھلی نشست پر ڈھیر ہو گئی۔
 تھیس ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی اور طوسیہ
 ماضی کے تلخ خیالوں میں گم ہو گئی۔

جیل نے گلے میں لٹکے ہوئے اسٹیمسکوپ کو میز پر رکھ دیا
 اور ایک طویل انگڑائی لیکر ہاتھ ڈھیٹے چھوڑ دیئے۔ کلینک کا وقت
 ختم ہو چکا تھا۔ اب وہ گھر جانے کے متعلق سوچ رہا تھا۔
 اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے برا سامنے بنا کر
 فون کی جانب دیکھا اور ریسپور اٹھا لیا۔

”ہیلو“ ریسپور کان سے لگاتے ہوئے وہ دھیمی آواز میں بولا
 ”طوسیہ آپ کی طرف آئی ہے کیا؟ دوسری طرف سے نبیلا گھبراہٹ
 ہوئی بولی۔“

”نہیں تو... کیوں کیا ہوا؟“ جیل بوکھلائے ہوئے لہجہ میں بولا
 ”وہ گھر پر نہیں ہے بھئی۔ کچھ خلط چھوڑ کر نجانے کہاں چلی گئی،“

دوسری جانب سے میلہ کی آواز ابھری۔

”کیا؟“ جمیل کو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا ہو۔

رہسپور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ چند لمحے وہ سکتے

عالم میں کھڑا رہا۔ اور پھر بھاگ چلا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے

اجانک کوئی بات یاد آگئی ہو۔ وہ تیزی سے کلینک کے باہر آیا۔

گٹھری اسٹارشکی اور گھر کی جانب چل پڑا۔

مگر گھر جانے سے فائدہ۔ اچانک اس کے ذہن نے سوچ لی۔

”کہاں جاسکتی وہ؟“ جمیل دل ہی دل میں بڑبڑایا۔

کار تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ جمیل پریشانی کے عالم میں کسی بات

کی مانند اسٹیرنگ پر بیٹھا ہوا تھا۔ پیشانی پر بھری ہوئی سلوٹیں اس

گہرے سوچ میں ڈوبے ہوئے ہونے کی غمازی کر رہی تھیں چہرے

پر چھائی ہوئی اداسی نے اس کا رنگ پھیکا کر دیا تھا۔ کھوئی کھوئی

سی آنکھیں اس کی بدحواسی کا ستہ دے رہی تھیں۔

اجانک اس کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک عود کر آئی

اسے طوسیہ کے پرانے گھر کا خیال آگیا تھا۔ اس نے جلدی

سے کار کا رخ طوسیہ کے پڑانے گھر کی طرف موڑ دیا۔

کچھ دیر کے بعد اس کی کار طوسیہ کی گلی میں داخل ہو رہی تھی

تھوڑی دیر جا کر جمیل نے گاڑی روک دی۔ اگلے بند کیا اور نیچے اتر کر چاروں طرف ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ وہاں ہر کا وقت تھا، گلی میں دو چار بچے تل کے قریب کھیل رہے تھے۔

جلیل کی نظریں مختلف مکانات پر سے ہوتی ہوئی طوسیہ کے گھر پر رک گئیں۔ دروازے پر نقل نہیں لگا ہوا تھا۔ وہ تیز تیز چلتا ہوا مکان کے دروازے پر آیا۔ چند لمحوں تک دروازے پر ٹھکی باندھے دیکھتا رہا اور پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر دستک دی "کون ہے؟" اندر سے ایک نسوانی آواز ابھری۔

جلیل چونک پڑا۔ آواز طوسیہ کی ہرگز نہیں تھی۔ اس نے متحجبانہ نظروں سے مکان کا جائزہ لیا اور پھر حلق سے تھوک لگتا ہوا بولا۔
 "کیا یہ مکان طوسیہ بیگم کا نہیں ہے؟"
 "کون طوسیہ؟" اندر سے پوچھا گیا۔

آواز سے صاف ظاہر تھا کہ بولنے والی خاتون ادھر سے ادھر سے تجاویز کی جلی ہیں۔

"وہ... وہ... لڑکی سی ہیں۔ کھوئی کھوئی سی آنکھیں اسی رنگ میں اپنی بوڑھی والدہ کے ساتھ رہتی تھیں۔
 جمیل بڑھکھلا کر بولا۔

عجیب بات ہے۔ ابھی چند منٹ پیشتر ایک لڑکی آئی تھی۔

اس گھر کو اپنا بتا رہی تھی۔
”اوہ یقیناً.... وہی ہوگی۔ کس طرف گئی ہے وہ۔“ جمیل

نے مضطرب لہجہ میں پوچھا۔

”معلوم نہیں میں نے نہیں دیکھا۔ اندر سے جواب ملا۔

جمیل تیزی سے کار کی طرف لپکا۔ اس کا سر عکرا نے لگا۔

تھا قدم لڑکھڑاتے پڑ رہے تھے۔ پیشانی پسینہ سے شرابور

ہو رہی تھی۔

”بچائے کہاں گئی ہوگی... بگلی... ہو سکتا ہے گھر واپس لوٹ گئی

ہو۔ کار کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ اپنے آپ سے بڑبڑایا۔

گلی زیادہ چوڑی نہیں تھی۔ اس کے باوجود جمیل نے کار بڑی

تیزی سے بیک کی تھی۔ پھر رٹک پر پہنچتے ہی گاڑی ہوا سے باتیں

کر لے گئی وہ جلد از جلد گھر پہنچ جانا چاہتا تھا۔

اور پھر مکان میں داخل ہوتے ہی اس کی نظریں برآمدے

میں ایک ستوں کے سہارے کھڑی ہوئی نبیلا پر پڑیں۔ پلکوں

کے درجوں سے جھانکتے ہوئے آنسو رخساروں پر بہہ نکلنے کے

لئے بیتاب نظر آ رہے تھے۔ چہرے پر چھائی ہوئی گہری افسردگی

ہمیں جمیل پر نظر پڑتے ہی کچھ اور دبیز ہو گئیں۔
 جمیل کے دل کو ایک دمچکا سا لگا : ”وہ یہاں نہیں آئی“
 نبیلا کے چہرے پر نظر پڑتے ہی دل نے کہا۔
 نبیلا دوڑتی ہوئی آگے بڑھی لیکن جمیل کے حسرت زدہ
 چہرے کو دیکھ کر رک گئی۔
 ”بھیا...“ نبیلا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اور آنسوؤں کا
 بند ٹوٹ گیا۔

جمیل نے دیران نظروں سے نبیلا کی جانب دیکھا۔ ہونٹوں کو
 سختی سے بھیجتا اور اس کا شانہ تھپتھپاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔
 اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا
 اور اندر داخل ہو گیا۔ کچھ دیر یوں ہی بے مقصد کمرے کا جائزہ لینے
 کے بعد اپنے بستر پر گر گیا۔ شدید الجھن میں مبتلا اس نے تکیہ
 اپنے دونوں ہاتھوں میں دبلو ج کر اپنی پیشانی اس پر رکھنے لگا
 پھر اتفاقاً ہی اس کی نگاہ سرہانے رکھے ہوئے کاغذ پر
 جا پڑی۔ کاغذ کسی لیٹر پڑ سے جدا کیا ہوا لگ رہا تھا۔ جمیل نے
 کانٹوں میں دفعتاً نبیلا کے فون پر ادا کئے ہوئے جملے کو سنے لگے
 ”وہ گھر نہیں ہے بھیا... کچھ خطوط چھوڑ کر نہ جانے کہاں

چلی گئی۔

جمیل نے چھٹ کر کاغذ اٹھا لیا اور کھول کر جلدی جلدی پڑھنے لگا۔ خط طوسیہ ہی کا تھا۔ پڑھ چکنے کے بعد اس نے خط کو مضبوطی سے تھپی میں بھینچ لیا۔ اور بستر سے اٹھ کر کمرے میں چلے لگا۔

”تم نے مجھے غلط سمجھا۔ طوسیہ۔ تم شروع ہی سے غلافی میں مبتلا رہی ہو۔ تم میری زندگی ہو۔۔۔ کوئی اپنی زندگی کا مذاق بھی اڑایا کرتا ہے۔ تم محرومیوں کا شکار رہیں۔ اور میں امیدوں کے سہارے جایا کیا۔ میری امیدوں کا چراغ لگی کر کے شاید تم نے اپنی منزل پالی۔ تو کیا میں ناکامیوں اور محرومیوں کو سینے سے لگا سکتا ہوں۔“

جمیل ٹہلتے ٹہلتے کمرے کی کسٹھن سے آکر کھڑا ہو گیا۔ طوسیہ.... کیا میری زندگی کو سسکیوں کا اندر اندر دینے آئی تھیں؟ تم مجھے ضیاء بن کر ملیں اور تارکیوں میں بھٹکتا چھوڑ کر چلی گئیں۔ لوٹ آؤ طوسیہ کہ تمہارے آنے سے راہ کی قندیلیں روشن ہو جائیں گی اندھیرے چھٹ جائیں گے۔ وہ پوری قوت سے چلا اٹھا۔ اندھیرے چھٹ جائیں گے۔۔۔ اندھیرے چھٹ جائیں گے۔۔۔ اندھیرے....

اس کی آواز بتدریج دھیمی ہوتی چلی گئی ۔
 ”بھیا! اسی لمحے نیلا گھبرا اُٹے ہوئے بچے میں بولی ۔
 وہ بچا۔ نے کب کمرے میں داخل ہوئی تھی ۔
 ”ان... ن... نیلا۔ جمیل نگاہوں میں کرب لئے نیلا کی
 طرف دیکھنے لگا ۔

”اتنا نہ بہک بھیا۔ کہ دیوانے بن جاؤ... بھیبھوں جلی بہن
 یہ برداشت نہ کر سکے گی نیلا سسکیاں لیتے ہوئے بولی ۔
 میں تمہارا درد سمجھ رہی ہوں بھیا۔ یقین رکھو طوسیہ لوٹ آئے گی
 ”سچ... نیلی وہ آجائے گی جیل بچوں کے سے انداز میں
 نیلا کی طرف لپکا ۔

”ہاں بھیا! میرا دل کہہ رہا ہے۔ وہ ضرور آئے گی۔
 نیلا جمیل سے لپٹ کر سسکیاں لینے لگی ۔
 اور جمیل کی آنکھیں سر کی ہلکی سی کرن ناچنے لگی ۔ بچلنے
 کیوں اس نے نیلا کی بات کا اعتبار کر لیا تھا۔

بیگم شہاب کے مکان میں طوسیہ نے اب تک جودن گزارا
تھے۔ تمام واقعات کی شکل میں ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں
کے سامنے گردش کرنے لگے۔ اس کا دل چاہا کہ ٹیکسی کو وہاں
کے لئے کہے۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکی۔ الفاظ اس کے ہونٹوں
تک آکر رہ گئے۔

ٹیکسی اس کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچ کر ایک ہلکے سے جھکے
سے رُک گئی۔ طوسیہ نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ چند قدم کے
فاصلے پر وہ گلی تھی جس میں اس کا مکان تھا۔ اس نے ٹیکسی
کو کرایہ ادا کیا۔ اور دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔
طوسیہ ہلکے ہلکے قدم اٹھاتی ہوئی خیالوں میں گم اپنے گھر کے
سامنے جا کر ٹھہر گئی۔ پھر جوں ہی اس کی نظر دروازے پر پڑی
وہ ششک کر رہ گئی۔ دروازہ مقفل نہیں تھا۔ اندر سے کسی نے
کی آواز آرہی تھی جو شاید کسی بچے کو اس کی شہرت پر ڈانٹ

رہی تھی۔

طوسیہ کی پیشانی پر تشویش آمیز سلوٹیں ابھرا بیٹیں۔ چہرے سے عجیب سی پریشانی مترشح ہونے لگی۔ چند لمحے یونہی کھڑی رہتی رہی۔ اور پھر اس نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔
"کون ہے؟" اندر سے اسی عورت کی آواز سنائی دی۔

بلکے بلکے قدموں کی چاب ابھری۔ اور چند لمحوں بعد ایک عورت دروازے میں معمولی سی جھری کر کے جھانکنے لگی۔

باہر طوسیہ کے ساتھ کسی مرد کو نہ دیکھ کر عورت نے دروازے کا ایک ہٹ کھول دیا اور طوسیہ کی طرف استفساریہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"آپ اس مکان میں کب سے رہتی ہیں؟" طوسیہ چند لمحے بوجھ بولی۔
"تقریباً ڈیڑھ ماہ ہو چکا ہے۔ کیا بات ہے؟" اس نے طوسیہ کی بات کا جواب دیتے ہوئے استفساریہ انداز میں کہا۔

"آپ سے پہلے جو لوگ یہاں رہتے تھے کہاں گئے؟"

"میر تو معلوم نہیں۔ لیکن سنا ہے وہ لوگ بہت غریب تھے۔ ایک بوڑھی عورت اپنی بیٹی کے ساتھ رہتی تھی۔ بڑھیا کا انتقال ہو گیا اور لڑکی کو اس کے رشتہ دار اپنے ساتھ لے گئے۔" ادھیڑ عمر کی عورت

نے مہسودانہ پہنچے میں جواب دیا۔
 ”لیکن یہ مکان تو ان ہی لوگوں کا تھا۔“

”ہاں بیٹی سنا تو ایسا ہی ہے۔ بڑھیا بے چارے بے حد مقررہ
 تھی۔ اس کے مرنے کے بعد جب لڑکی بھی یہاں سے چلی گئی تو
 قریحہ انہوں نے لڑکی کا پتہ لگانا چاہا مگر کوشش کے باوجود کوئی
 پتہ نہ مل سکا۔ آخر ان لوگوں نے حکومت کے ذریعہ مکان کو
 نیلام کر دیا۔“ عورت نے طوسیہ پر تنقیدی نظریں ڈالتے ہوئے
 بتایا۔

پھر لمحہ بھر قہر کر طوسیہ کی جانب بغور دیکھتے ہوئے بولی۔
 ”لیکن تم کون ہو بیٹی۔“

”مم۔۔۔ میں وہی بنصیب لڑکی ہوں جس کی ماں نے
 اس مکان میں دم توڑا تھا۔“ طوسیہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس
 نے ایک حسرت بھری الوداعی نظر مکان پر ڈالتے ہوئے بولی۔
 ”میں آپ کو زحمت دینے کی معافی چاہتی ہوں۔“ وہ بکوں
 پر آنے والے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگی۔
 ”اندر آ جاؤ۔“ عورت اس کی بلاتی ہوئی آنکھوں سے حاشیہ کر
 دیکر کہ۔۔۔ اب چلوں گی، طوسیہ نے باس زدہ سے بے

میں جواب دیا۔

طوسیہ پیٹ اور تھکے تھکے قدم اٹھاتی ہوئی واپس ہوئی۔
وہ سوچ رہی تھی۔۔۔۔۔ اپنی تمام عمر اس گھر میں گزار
آئی تھی۔۔۔۔۔ اب کیسا ہوگا۔ کہاں جائے گی۔ وہ
ابھی چند قدم ہی چلی تھی کہ اس نے دورنگی میں جمیل
کی کار کو داخل ہوتے دیکھا۔ طوسیہ نے گھر کے چاروں
طرف نظر پھریا۔ جس مکان کے سامنے سے گزر رہی تھی
اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ طوسیہ لپک کر اس مکان میں
داخل ہو گئی۔

عمر کا ایک طویل حصہ وہ اس محلہ میں گزار چکی تھی
یہاں رہنے والے چھوٹے بڑے سب ہی اچھی طرح واقف
تھے۔ پھر یہ مکان تو اس کے اپنے مکان سے ملا ہوا تھا
دن میں کبھی کسی مرتبہ آکا جانا ہو کرتا تھا۔
کل تین افراد اس مکان میں رہتے تھے۔

سلیم صاحب اور ان کی بیوی۔ اور طوسیہ کی ہم سینگ
رملی بھینس۔ سلیم صاحب جن کو وہ بچپن ہی سے غائب
کہہ کر بکا کر کرتی تھی۔ بڑے نیک اور مخلص شخص تھے۔

ان کی بیوی جو اس رشتہ سے خالہ جان کہلاتی تھیں طوسیہ کی والدہ کی بہن بنی ہوئی تھیں۔ دونوں میں بے انتہا محبت تھی۔
 ”کون ہے بھئی۔“ ابھی وہ ڈیوڑھی میں داخل ہی ہوئی تھی کہ تیز مگر مستقیم آواز ابھری۔

طوسیہ چونک پڑی۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر سامنے دیکھا بشرہ کھڑی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو چند لمحے بغور دیکھتی رہیں۔

”ارے۔ طوسیہ..... تم؟ بشرہ اس کی طرف پلکی۔
 ”بشرہ.....“ طوسیہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔
 ”کہاں تھیں..... اتنے دنوں..... چلو۔ اندر چلو چلو۔“ اس نے مُسکرتے سے طوسیہ کو بھیج دیا۔

پھر وہ وہیں سے چلاتے ہوئے لڑی۔
 ”امی۔۔۔ دیکھیے کون آیا ہے۔“ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر برآمدے میں لے آئی۔

بشرہ کی والدہ چار پائی دُٹلے برآمدے ہی میں بیٹھیں تھیں۔ طوسیہ پر نظر پڑتے ہی وہ حیرت زدہ سی کھڑی ہو گئیں۔
 ”یہ تو اپنی طوسیہ ہے۔“ امیری بھی میرے پاس آ۔“ بشرہ

کی والدہ نے دونوں ہاتھوں کو طومبی کی طرف پھیلا دیئے۔
 طومبیہ دونوں ان سے لپٹ گئی۔ آنکھیں ان کو دیکھتے
 ہی بھر آئی تھیں۔ سینے سے لگتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے
 لگی۔ بشرہ اور اس کی والدہ کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے تر تھیں
 ایسا ہی معلوم دے رہا تھا جیسے ایک مدت کے بعد ان کی
 حقیقی بیٹی ان سے آکر ملی ہو۔

کچھ دیر کے بعد آنسوؤں کی روانی میں فہر او پیدا ہوا۔ طبیعتیں
 قدرے سکون پذیر ہوئیں تو وہ ایک دوسرے کے قریب چارپائی
 پر بیٹھ گئیں۔

لو کہاں چلی گئی تھی میری سچی۔ مجھ پر نصیب سے ملی تک
 نہیں جاتے ہوئے۔ بشرہ کی امی اس کے سر پر شفقت
 سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

”کیا بتاؤں خالہ جان“ طومبیہ نے سر جھکا کر جواب دیا۔
 ”خیر خیر... اطمینان سے بتانا۔“ پھر وہ بشرہ کو ادھر
 ادھر دیکھتی ہوئی بولیں۔ ”بشرہ... تو یہ ہے کہاں
 گئی یہ۔“

”امی۔ یہ تو بیٹھی ہوں۔ اپنی اماں کے پیچھے بیٹھی ہوئی

بشرہ نے جواب دیا۔
 ارے ہاں۔ چل تو جا کر چائے بنا۔ پتہ نہیں کتنی دور
 سے آرہا ہے بکئی۔
 بشرہ نے مسکرا کر طوسیہ کی جانب دیکھا۔ اور وہ باپ چٹخا
 کی طرف چل دی۔ بشرہ کے جانے کے بعد اس کی والدہ
 نے ایک سرد سانس لی اور دوبارہ طوسیہ سے مخاطب ہوئیں۔
 ”تمہارے رشتہ کا کیا رہا۔“

تمہاری اچھی مرحومہ نے انتقال سے دو ایک دن پہلے بتایا
 تھا کہ شہاب صاحب کے یہاں سے تمہارے لئے رشتہ آ رہا ہے۔
 طوسیہ کے چہرے پر ایک لمحہ کے لئے حیا آلود سرخی آئی۔
 اور پھر دوسرے لمحہ افسردگی کی تہہ چہرہ طھتی چلی گئی۔ اس نے
 چند ثانیے کچھ سوچا اور پھر ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں پوری
 رویداد سنا ڈالی۔

طوسیہ کی زبانی تمام واقعات سن کر۔ بشرہ کی والدہ
 نے قریب بیٹھی ہوئی طوسیہ کو ایک مرتبہ پھر سینے سے لگایا
 اور تسلی دیتی ہوئی بولیں۔

صبر کر بدی قسمت میں یہی لکھا تھا۔ اب تجھے کہیں جانیکی

ضرورت نہیں۔ بشر اور تو دو تھوڑی ہیں میرے لئے۔" طوسیہ نے اپنی بھیلی ہوئی پلکوں کو آنچل سے صاف کیا اور بشرہ کی والدہ کے سامنے خاموشی سے سر جھکا کر جھجھکی بشرہ کی والدہ بھی گہری سوتج میں ڈوب گئیں تھیں۔

یہ بوجھل سی خاموشی نہ جانے کب تک قائم رہتی کہ بشرہ ہاتھوں میں چائے کی ٹرے سنبھالے داخل ہوئی۔ اس نے ایک چھوٹی سی ٹیل گھسیٹ کر چارپائی کے آگے رکھ دی اور پھر ٹرے اس پر رکھتے ہوئے۔ خود بھی طوسیہ کے قریب بیٹھ کر چائے بنانے لگی۔

طوسیہ کی طبیعت تو نہیں چاہ رہی تھی۔ لیکن بشرہ اور اس کی والدہ کے اصرار پر اسے چائے کے ساتھ تھوڑا بہت کھانا ہی پڑا۔ ناشتے سے فارغ ہونیکے بعد بھی وہ بشرہ اور اس کی والدہ سے کافی دیر تک باتیں کرتی رہی۔ پھر شام قریب ہونے کو آئی تو وہ کھڑی ہو گئی۔

اچھا خالہ جان.... اب اجازت دیجئیے... چلیں گی۔
 لڑکی کیا دلروانی ہوئی ہے۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں کہیں جائیگی؟
 بشرہ کی والدہ نے پیار سے ڈانٹا۔

طوسیہ کو سر جھپانے کے لئے کسی جگہ کی تلاش تھی۔ اس کا اپنا مکان جس کی امید پر وہ یہاں آئی تھی۔ اپنا نہ رہا تھا جس گھر کو چھوڑ کر آئی تھی اس کی خود دار طبیعت نے واپس جانا گوارا نہ کیا۔

طوسیہ خاموش ہو کر رہ گئی۔
شام تک سلیم صاحب بھی آگئے۔ وہ بھی طوسیہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اپنی بیوی کی زبانی تمام واقعات سننے کے بعد جب انھیں معلوم ہوا کہ اب طوسیہ انہیں کے ساتھ رہیگی تو انھوں نے اور زیادہ خوشی کا اظہار کیا۔

بشرہ کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ وہ مسلسل باتیں کئے جا رہی تھی۔ بات بات پر اس کے قہقہے گھر کی فضا میں گونج رہے تھے۔

اے بشرہ.... اب کب تک اس بیماری کو پریشان کئے جائیگی ذرا آرام کرنے دے... تو جا کر ہنڈیا روٹی کی فکر کر، آخر بشرہ کی والدہ کو بولنا ہی پڑا۔

”اچھا میں ابھی آئی“ بشرہ منہ بنا کر اٹھتی ہوئی بولی اور طوسیہ سر کو خیف سی جنبش دے کر مسکرا دی۔“

طوسیہ کے جانے کے بعد جمیل مردہ سا ہو کر رہ گیا تھا۔ ہنر مند
 پیر ہر وقت کھیلنے والی سکر ایٹ اس کے ساتھ ہی رخصت ہوئی
 تھی۔ وہ اپنا زیادہ وقت گھری میں گزارتا اور اس ادا سے چہرہ -
 وحشت زدہ آنکھیں ایسا لگتا جیسے کوئی بھٹکی ہوئی روح کسی کی
 تلاش میں سرگرداں ہو اس کی حالت دیکھ کر گھر کا ہر فرد پریشان تھا
 شاید یہ سب نے حالات کے پیش نظر اپنے جانے کا پروگرام ملتوی
 کر دیا تھا۔ بیگم شہاب کی ایما پر انھوں نے اپنی بیٹی فرناز کو اشارہ کیا جمیل
 کا خیال رکھنے کیلئے کہہ دیا تھا۔ ویسے بھی جمیل فرناز کو پسند تھا۔
 اپنی والدہ کی خواہش پا کر وہ ہر وقت جمیل کے ساتھ رہنے کی کوشش
 کرنے لگی تھی۔

جمیل اپنا بیشتر وقت طوسیہ کے کمرے میں گزارتا۔ جمیل پر بھی
 ہوئی طوسیہ کی فوٹو اس کی توجہ کا مرکز رہتی۔ اس وقت بھی اس کی نظر
 طوسیہ کی فوٹو پر مرکوز تھیں۔ کہ فرناز کمرے میں داخل ہوئی۔ جمیل فوٹو

میں اس قدر گم تھا کہ اسے کمرے میں داخل ہوتی ہوئی فرناز کا مطلق احساس نہ ہو سکا۔

”جمیل“ فرناز نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔
 ”طوسیہ“ جمیل بے ساختہ چونک کر مڑا۔ اور پھر فرناز کو دیکھ کر سر جھکا لیا۔

”میں فرناز ہوں جمیل!“ فرناز آہستہ سے بولی۔ جمیل کو پیار بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ”تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے۔ جمیل۔ بھول جاؤ اسے۔ گزرے ہوئے حالات پر ماتم کرنے سے کیا فائدہ۔ آؤ کہیں گھومنے چلیں۔“

”دل نہیں چاہتا فرناز۔“ جمیل بخود لہجے میں بولا۔

”اچھا آؤ پکچر چلتے ہیں۔“ فرناز دوبارہ بولی۔

”تنگ مت کرو فرناز۔ جمیل جھٹا گیا۔

جسے تمہاری پروا تک نہیں تھی۔ اس کا قدر خیال ہے۔ اور جو محبت کرتے ہیں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ تمہاری نگاہوں میں فرناز جل کر بولی۔

مجھ سے کون محبت کرتا ہے فرناز۔ میں تو گرتی ہوئی دیوار ہوں جسے ہوا کا ایک تیز جھونکا گرا دینے کے لئے کافی ہے۔

تم بے حد جذباتی ہو۔ زندگی گھٹ گھٹ کر مر جانے کا ناہیں
میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہارے غموں کو اپنالوں گی۔ باہر نکلیں
ان بند کمروں میں تمہاری روح سکون نہ پاسکے گی۔

فرناز نے جمیل کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جمیل نے فرناز کے چہرے پر
نگاہ ڈالی۔ اور ایک پھکی سی سسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آکر بٹھی
اس کا دل کرے سے نکلنے لگے نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن فرناز
اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لان میں لے آئی۔

وہ خاموشی سے لان میں پڑی ہوئی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔
خاموش کیوں ہو؟ کچھ بولوتا۔ دیکھو کس قدر دلفریب موسم ہے
کتنا حسین ماحول ہے۔ اپنے کمرے کے دل کو کھلانے کیلئے
اس رنگینی اور رعنائی کا سہارا لو۔ فرناز کچھ دیر بعد خاموشی کو
توڑتی ہوئی بولی۔

کیا بولوں ایک دل تھا سو وہ بھی ٹوٹ گیا۔ زندگی اور اس
ہو گئی۔ زلیست کی جاذبیت ہر لمحے گھٹی جا رہی ہے۔ اس جیتی
جاگتی دنیا میں رہتے ہوئے بھی یہی محسوس ہوتا ہے۔ جیسے محمد
میں اتار دیا گیا ہو مجھے۔ جمیل آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت
سے کمر ٹکاتے ہوئے بولا۔

کیسی ہیکی ہیکی باتیں کر رہے ہو جمیل۔ " فرناز عجیب سی نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔ "

جمیل آنکھیں بند کئے نہ جانے خیالات کی کہن وادیوں میں جا کھویا تھا۔ فرناز اس کے چہرے کو تک رہی تھی۔ ماحول پر سکوت طاری تھا یہ خاموشی نہ جانے کتنک چھائی رہتی کہ نبیلا اس طرف آنکلی۔

بھیا کیا آج کپڑے بھی تبدیل نہ کر دے گے۔ "

ہوں... کپڑے... اری پگی انسانی زیبائش کپڑوں سے نہیں بدھ کر تی۔ جمیل نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا۔
"اؤ اٹھو... غسل کرو۔" نبیلا نے اسکے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اسے کیا تم مجھے اپنا سچ سمجھتی ہو۔ جاؤ اپنا کام کرو۔"

"بھیتا... اس نے کچھ کہنا چاہا۔"

"ہفت نبیلی بعض اوقات تم بالکل بچہ بن جاتی ہو۔ جاؤ مجھے تنہا چھوڑ دو۔ جمیل پھکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔"

"جمیل تم مجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔" فرناز بولی

"کیا سمجھنا چاہتی ہو۔" جمیل فرناز کی جانب دیکھنے لگا۔

"تمہیں اس وقت گھومنے پھرنے کی ضرورت ہے۔"

"کیا کسی حکیم نے نسخہ میں لکھ دیا ہے۔" جمیل نے تلخی سے جواب دیا

فرناز سہم گئی ۔

آؤ فرناز تم میرے ساتھ آؤ بیلا نضا اکدم موتے دیکھ کر لولی ۔
فرناز نے ایک نظر جمیل پر ڈالی اور اٹھ کر بیلا کے ساتھ ہو لی ۔
جمیل نے سگریٹ نکال کر سلگائی اور پیشانی پر ہاتھ رکھ کر گہری سوج
میں غرق ہو گیا ۔ طوسہ کے جلنے کے بعد سے وہ اسے ہر جگہ تلاش کرتا رہا
تھا ۔ اس نے کوئی بھی ایسی جگہ نہیں چھوڑی جہاں طوسہ کے
ملنے کی توقع ہو سکتی تھی ۔ لیکن نتیجہ ہمیشہ مایوس کن ہی نکلا ۔ اس وقت بھی
وہ طوسہ ہی کے خیالوں میں گم تھا ۔

شہاب صاحب کہیں باہر جانے کیلئے تیار ہو کر نکلے تو لان میں
گم غم بیٹھے ہوئے جمیل کو دیکھ کر ان کے پہرے کی سنجیدگی کرب میں تبدیل
ہو گئی ۔ کار کی طرف بڑھتے ہوئے قدم وہیں رگ گئے ۔ پھر کچھ سوچ کر
بے بسے قدم اٹھاتے ہوئے جمیل کے قریب آ کر بولے ۔
کیا بات ہے بیٹے ۔ آج کلینک نہیں جاؤ گے ۔

اپنے خیالوں میں گم جمیل آواز سن کر چونک پڑا ۔ اور پھر
شہاب صاحب پر نظر پڑتے ہی فوراً تعظیماً کھڑا ہو گیا ۔
بیٹھو بیٹھو میں بہت دنوں سے تمھاری طبیعت گری گری سی
محسوس کر رہا ہوں ۔ شہاب صاحب نے قریب ہی ایک کرسی بیٹھتے ہوئے

”نہیں تو پتہ پتا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ جمیل نگاہیں نیچی کرتے ہوئے بولا۔

”تمہاری حالت کم از کم مجھ سے پوشیدہ نہیں بیٹے۔ میرا مشورہ یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت مصروفیت میں گزار دو۔“ شہاب صاحب شفقت سے بولے۔

اور جمیل نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

”زندگی میں آنے والی ہر مصیبت دپریشانی کا علاج وقت ہے وقت مہم بن کر دھیرے دھیرے ہر زخم کو مندمل کر دیتا ہے۔ بشرطیکہ اس عادت کو خود بھی فراموش کرنے کی کوشش کی جائے۔ ایسے لوگ جو اپنے آپ کو غموں کے ساتھ رہ جانے دیتے ہیں۔ دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے انکی زندگی سسکیوں کا دوسرا نام بن کر رہ جاتی ہے۔“ شہاب صاحب بکھیرے لہجے میں دہرایا۔

بیٹا..... ہر حادثہ ان کیلئے ایک نئی راہ پیدا کرتا ہے اب یہ خود اس پر منحصر ہے کہ وہ اس حادثہ کا شکار ہو کر رہ جائے یا اپنے آپ کو سنبھال کر نئے راستے پر چلے۔ میرے بچے ایک ذرا سچی ناکامی کا ماتم کرتے ہوئے تمام زندگی اداسیوں میں گزار دینا مرد نہیں میں تمہارے درد کو سمجھتا ہوں۔ مجھے تمہاری دلی کیفیت

کا بھی احساس ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں ہی کہوں گا کہ زندگی اتنی
 ارزاں نہیں ہے کہ اسے یونہی آہ و فغاں کی نظر کر دیا جائے... اپنے
 آپ کو سمجھا لو... گزرے ہوئے حادثہ کو بھولنے کی کوشش کرو۔ دیر
 پیچھے رہ جاؤ گے۔ دنیا پیچھے رہ جانے والوں کا انتظار نہیں کرتی۔
 بلکہ آگے نکل جانے والوں کے پیچھے بھاگتی ہے۔ شہاب صاحب
 جمیل کو سمجھاتے رہے۔ جمیل خاموشی سے بیٹھا سفار یا۔ پوتا
 بھی کیا۔ کوئی اور ہوتا تو اپنے دل کے زخم دکھانے کی کوشش کرتا
 باپ سے وہ کیا کہہ سکتا تھا۔ شہاب صاحب نے بات کچھ دیر
 انداز سے کہی تھی۔ کہ جمیل کے پاس خاموش رہنے کے سوائے
 کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد شہاب صاحب اٹھ کر چلے گئے۔ ان
 کے جانے کے بعد جمیل بھی سرد سانس لیکر کھڑا ہو گیا اس کی
 آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔

طوسیہ کو سلیم صاحب کے ہاں رہتے ہوئے کافی دن گزر گئے تھے۔ اس گھر کے ہر فرد سے تودہ مانوس پہلے ہی سے تھی۔ یہاں رہنے کے بعد اور بھی گھل مل گئی تھی۔ ویسے بھی سلیم صاحب اور ان کی بیوی طوسیہ کو یتیم سمجھتے ہوئے اس کا خیال رکھتے تھے بشرہ کی تودہ خاص سہیلیوں میں سے تھی۔ اتنے دنوں جدا رہنے کے بعد جو میں تو آپس میں محبت کچھ زیادہ ہی محسوس ہونے لگی۔

اس گھر میں اس کے لئے خلوص تھا۔ محبت تھی لیکن اس کے باوجود اس کے چہرے پر بکھری ہوئی دیرانی آنکھوں کی اداسی اور ہونٹوں پر سرد لرزتی ہوئی یاسیت بدستوری قائم تھی۔ بشرہ کی امی نے بہت کر دیا۔ بشرہ نے بارہا پوچھا لیکن کسی کو بھی کوئی خاطر خواہ جواب نہیں ملا۔ آخر سلیم صاحب کے کہنے پر کہ ”اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ کچھ عرصے بعد وہ خود ہی پرانے غم بھری جان لگی۔“ سب چپ ہو گئے۔

ایک دن کھانے پر سلیم صاحب ان کی بیوی بشرہ اور
طوسیہ بلجھی تھیں کہ طوسیہ بشرہ کی امی سے مخاطب ہوئی۔
”خالہ جان اگر ناراض نہ ہوں تو ایک بات کہوں۔“

”کہو بیٹی کیا بات ہے یہ بشرہ کی امی طوسیہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔“
”کئی دن ہوئے اخبار میں استانیوں کی آسامی کیلئے اشتہار دیکھ کر
میں نے ایک درخواست بھیجی تھی۔ پرسوں انٹرویو کیلئے بلایا ہے۔“
”حواسوں پر سے صدقہ دوجو ادبلا ہو۔ آخر یہ کیا سوچتی تھیں
کیا گھر میں کھانے کے لئے نہیں ہے۔ یا تمہیں کوئی اور تکلیف ہے
تو بتاؤ۔ کہیں لڑکیاں بھی نوکری کرتی ہیں۔“ یہ بات نہیں خالہ جا
خدا آپ لوگوں کو میرے سر پر ہمیشہ کے لئے قائم رکھے میں نے
سوچا تھا گھر میں بے کار پڑے رہنے سے اچھا ہے نوکری کر لی جائے
ویسے بھی تعلیم کا کچھ فائدہ تو ہونا چاہیئے۔ پھر نوکری یا عزت ہونے
کے علاوہ مجھے بچوں کو پڑھانے سے دلچسپی بھی ہے۔“

”نہیں بھئی یہ نہیں ہو سکتا۔ لوگ کیا کہیں گے کہ لڑکی کو کچھ دن
کھلا بھی نہ سکے۔ نوکری کرادی تاکہ اپنا گھر بھر سکیں۔ بشرہ کی امی
فیصلہ کن انداز میں بولیں۔

”خالہ جان جتنے منہ اتنی ہی باتیں کوئی کسی کا منہ تو بند کر دے۔“

ہیں کسی سے کیا عرض طوسیہ نے جواب دیا۔
 وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم جانو دنیا کا خیال تو کرنا ہی پڑتا
 ہے۔ سلیم صاحب جو اب تک دونوں کی گفتگو سن رہے تھے بولے :
 درست ہے خالو جان۔ لیکن دنیا کا خیال ایسی باتوں میں
 کرنا چاہیئے جو شرافت کے منافی ہوں۔ مولوی صاحب کی لڑکی
 فریدہ بھی تو آخر اسکول ہی میں ملازم ہے۔
 ہاں بیٹی لیکن وہ ان کی لڑکی ہے۔ کسی کو کچھ کہنے کی گنجائش
 نہیں۔ سلیم صاحب سنجیدگی سے بولے۔
 "تو یوں کہیئے آپ مجھے اپنی بیٹی نہیں سمجھتے۔"
 یہ کیا کہا میری بچی تو نے خدا گواہ ہے ہم بشرہ سے کم نہیں
 سمجھتے۔ بشرہ کی امی بولیں۔
 تو پھر اجازت دے دیجئے نا خالہ جان۔ مصروف رہنے سے
 خیالات بٹ جاتے ہیں۔ طوسیہ التجا آمیز لہجہ میں بولی۔
 لیکن بیٹی۔ آخر کن خیالات میں لکھوئی رہتی ہو ہر وقت۔
 بشرہ کی والدہ بے چینی سے بولیں۔
 کیا بتاؤں خالہ جان۔ میری خود سمجھ میں نہیں آتا۔ اپنی نوجوانی
 کی کہانی بار بار آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ طوسیہ رو دینے

انداز میں بولی۔

اجی ایک بات تو ہے۔ اگر طوسیہ انٹرویو میں کامیاب ہو گئیں تو یہ ہر وقت سوچتے رہنے کی عادت بھی ختم ہو جائے گی ان کی۔ ہر وقت بچوں سے دماغ کھپانا پڑے گا۔ ایسے میں خیالات کہاں آتے ہیں دماغ میں۔

طوسیہ کے خاموش ہوتے ہی بشرہ بول پڑی۔
اچھا ابھی سوچیں گے۔ "سلیم صاحب موضوع ختم کرتے ہوئے بولے۔

اس میں سوچنے کی بات ہی کیا ہے خالو جان۔ پھر پرسوں تو جانا ہی ہے طوسیہ جلدی سے بولی۔

وہ سمجھ گئی تھی کہ سلیم صاحب ٹالنا چاہتے ہیں۔

پھر بھی کچھ تو سوچنا ہی پڑے گا۔

تو میں یہ سمجھوں کہ میری درخواست منظور نہیں کی آپ نے طوسیہ اٹھتے ہوئے افسردگی سے بولی۔

جا کہاں رہی ہو کھانا تو کھاؤ۔" بشرہ طوسیہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔

بس بشو۔ میرا ہٹ بھر گیا۔ "طوسیہ پھکی سی سکر اسٹ ہوٹوں پر

لائی ہوئی بولی۔

”اتنی میری سمجھ میں نہیں آتا اس نوکری میں برائی کیا ہے۔“

طوسیہ کے جانے کے بعد بشرہ اپنی اتنی سے بولی۔

برائی تو کچھ نہیں۔ صرف یہ خیال ہے کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ

ہم نے اسکو نوکری کیلئے مجبور کیا ہے۔

بشرہ کی والدہ سے پہلے سلیم صاحب بول پڑے۔

واہ ”برائی کیوں نہیں۔ شریف زادیاں نوکری کرتی پھر

یہ تو کبھی سنا نہیں۔“ بشرہ کی والدہ بولیں

بیگم زمانہ بدل گیا ہے۔ تعلیم جس قدر عام ہوتی جا رہی ہے

اتنی ہی لوگوں کے خیالات میں وسعت پیدا ہوتی جا رہی ہے

سلیم صاحب نے جواب دیا۔

”ہاں ہم تو جاہل ہیں۔“ بشرہ کی والدہ نے منہ بنایا۔

”لو بھی اپنی اتنی کو سنبھالو۔“ سلیم صاحب مسکراتے ہوئے

بیٹی کی طرف دیکھنے لگے۔ ”میں کہتا ہوں بیگم اس زمانے میں لوگوں

کا لازمہ کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا اور سمجھ ابھی تو انشروپ ہی

دینا ہے یہ یقینی تو نہیں کہ وہ کامیاب ہی ہو جائے۔ سلیم صاحب

بیگم کو سمجھانے لگے۔

یہ نہ کہیے ابو۔ اگر جانبداری سے کام نہ لیا جائے۔ تو
طوسیہ کی کامیابی سو فیصدی یقینی ہے۔“ بشرہ بولی۔

”خیر خیر جیسی تم لوگوں کی مرضی ہو کر دے۔“

ایک بات تو بشرہ ٹھیک کہتی ہے بچوں کو پڑھانے میں
اسے اتنا وقت نہیں ملے گا۔ کہ پچھلی اگلی پردھیان جائے ایسا کرو
بشرہ طوسیہ سے کہہ دو وہ اپنا دل تھوڑا نہ کرے۔ انٹرویو دے
آے۔۔۔۔۔ اور میگم دیکھو اگر اسے یہ ملازمت مل گئی تو ہمیں اس کی
تخواہ سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ سلیم صاحب نے اپنی اہلیہ اور
بشرہ دونوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

یہ سنتے ہی بشرہ طوسیہ کے کمرے کی طرف دوڑی طوسیہ منہ
پٹیے بستر پر دھاک مارتی رہتی رہتی ہی گدگدیاں کرنا شروع کی۔

اے کیا زعفران کا کھیت دیکھ کر آئی ہو۔ جو اس قدر خوشی
کا اظہار ہو رہا ہے۔ طوسیہ منہ سے چادرٹھا کر بشرہ کا ہاتھ پکڑے ہوئی
”ابو مان گئے ہیں طوسیہ!“

”سیج۔۔۔ کتنے اچھے ہیں خالو جان۔“ طوسیہ بشرہ سے
لپٹ گئی۔

فرنا زبے حداد اس تھی۔ اس کی آنکھیں گہری سوچ میں
 ڈوبی ہوئی تھیں پیشانی ٹکنی آلود۔ پسینے سے شرابور۔ وہ اس وقت
 تنہا اپنے کمرے میں بیٹھی خیالات کے دھندلوں میں ابھی اپنا ہونٹ چا رہی
 امکان بھر کو کشش کے بعد بھی وہ جمیل کے دل و دماغ پر چھائی طویر
 کی جگہ حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی تھی پتھر سے کب تک سوار تھی۔ اس
 جمیل کو اپنانے کیلئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا لیکن جمیل اسکے لئے
 پتھر ہی ثابت ہوا تھا۔ اپنی کوششوں کو رایگانہ جاتے ہوئے کھڑوہ اکثر ہچکچاتا
 اٹھتی۔ دل ہی دل میں اسے برا بھلا کہتی ہوئی آئندہ اسکی شکل تک
 نہ دیکھنے کا عہد کر لیتی۔

لیکن مستقبل کے سنہرے خواب پھر امیدوں کے چرلغ روشن
 کر لیتے۔ وہ دوبارہ اپنی باتوں اپنے حسن سلوک اور اپنی اداؤں سے
 جمیل کو متاثر کرنے میں لگ جاتی مگر نتیجے میں وہی ڈھاک کے تین بیات
 جمیل اس میں دلچسپی لینے کے بجائے اس سے اور زیادہ دور رہنے کی

کوشش کرنے لگتا۔

فرناز کی موجودگی میں جمیل خود کو قابو میں رکھنے کی بے حد کوشش کرتا
اس کے باوجود وائیل کے عالم میں اس سے عجیب عجیب حرکتیں سرزد ہونے
لگتیں اور فرناز جل کر رہ جاتی۔

ایک طرف اپنی شکست کا احساس اور دوسری جانب جمیل کو اپنانے
کی خواہش۔ وہ عجیب سے خلفشار میں مبتلا ہو کر رہ گئی تھی جتنی محبت تو
تھی نہیں کہ جمیل کی خوشی کو اپنی خوشی جان کر اسکے زخموں پر رحم رکھتی۔
دل چاہے رو کر مونٹوں کی مسکراہٹ میں فرق نہ آنے دیتی۔ جذباتی
لگاؤ تھا۔ جمیل کے رویے نے اسے شدت بخش دی تھی۔ جذباتی لگاؤ
عاشق کا طالب ہے عشق کا نہیں اسے مصلحت اور وقت کے تقاضے
کی بنا پر بھرد دی جاتی تھی۔

جمیل کچھ اپنی سلوک کی وجہ سے جذبات کی چنگاریاں برپا
ہو چکی تھیں اب اسکی جگہ نفرت اور بیزاری سننے لے لی تھی۔ اپنی کوششوں
کی ناکامی پر بیچ و تاب کھاتے ہوئے اس نے اس گھر سے جلد راجا
چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

لیکن اپنے بھائی عامر کی شادی اس فیصلہ میں سب سے بڑی
رکاوٹ تھی۔ یہ لوگ آئے ہی اس غرض سے تھے اتنے دن انتظار

کونے کے بعد نہ ہی واپس لوٹ جانا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
 دفعتاً اس نے اپنے دل میں کوئی فیصلہ کیا۔ اور بے ساختہ کھڑی
 ہو گئی۔ اس کا رخ دروازے کی جانب تھا۔ لیکن وہ ابھی دروازے
 تک پہنچی بھی نہیں تھی کہ پردے میں حرکت ہوئی۔ فرناز کی اتنی کمرے میں
 داخل ہو رہی تھیں۔

آداب عرض ہے امی جان.... فرناز نے ٹٹھک کر کہتے ہوئے
 اپنی امی کو آداب کیا۔

”جیتی رہو بیٹی۔ کیا بات ہے۔“ شاہدہ بیگم فرناز کو بغور دیکھتے
 ہوئے بولیں۔

میں آپ ہی کے پاس آ رہی تھی۔ فرناز بخیدہ لہجہ میں بولی۔

”یہ تمہارا چہرہ کیوں تیار ہوا ہے۔“ فرناز کی امی نے پوچھا۔

”کچھ نہیں آپ تشریف رکھیں۔“ فرناز نے جواب دیا۔

”کیا بات ہے آخر۔“ شاہدہ بیگم ایک کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولیں۔

”امی کل ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔“ فرناز نے حسرت زدہ لہجہ

میں کہا۔

ہوں.... میں بھی یہی سوچ رہی تھی.... شاہدہ بیگم سوچتے

ہوئے بولیں۔

”لیکن عام بھائی کیلئے کیا سوچا آپ نے؟“ اس نے چند لمحوں کے توقف سے کہا۔

”کیا سوچوں بیٹی۔ یہاں کے حالات ہی کچھ عجیب سے ہو گئے ہیں۔“ شاہد بیگم ادا اس ہجر میں بولیں۔

”دیکھئے نا۔ ہمارے یہاں آنے کا مقصد ہی یہ تھا۔ کہ نیلا کو بچا بھی بنا کر ساتھ لے جائیں گے۔ تمام ارمان اور امنگوں کا خون ہو گیا۔ اتنے عرصے یہاں رہنے کے بغیر نیلا کے جانا مجھے تو گورا نہیں۔“ فرناز عجیب سے اذرازیں بولی۔

مگر بیٹی تم یہاں کے حالات تو دیکھ ہی رہی ہو۔ شاہد بیگم اسکی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

”کیسے حالات آئی۔ آپ کہاں اچھ گئیں یہ سب کچھ تو محض ایک ٹانگ ہے۔ آپ ہی سوچیے ایک معمولی سی لڑکی جس کو زبردستی اس گھر میں رکھا گیا تھا۔ کوئی موقع پا کر فرار ہو گئی تو ایسی صورت میں تمام گھر کا یہی بیجاہ اس کے لئے اپنوں کو بھلا کر دیا۔ انکی اخبار کر لینا کہاں تک مناسب ہے اگر ایسی ہی ہمدردی تھی تو شادی ہی کیوں نہ کر ڈالی میں تو کہتی ہوں یہ سب دھکوں سے ہم لوگوں کیلئے ہی کھڑا کیا گیا ہے تاکہ ہم نیلا کیلئے اپنا خیال دلائیں۔“ ورنہ مجھے تو ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جس سے اس

شادی پر کسی قسم کا اثر پڑ سکے۔ فرناز اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولی۔

لیکن بیٹی نبیلا کے متعلق خیال بدلنے والی بات تو خود باجی ہی کیخلاف ملاتی ہے۔ شاہدہ بیگم حیرت سے بولیں۔

آپ بھی کتنی سیدھی ہیں امی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ اب ان کا خیال نبیلا کا رشتہ کہیں اور کرنے کا ہو۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ بات پکی ہو چکی ہے۔ اور پھر ان کی منشا پر ہی تو ہم آئے تھے۔

سب کچھ ممکن ہے امی۔ جب ایک معمولی لڑکی کیلئے پورا گھر پاگل ہو سکتا ہے تو نبیلا کا رشتہ کہیں اور کرنے کیلئے کیا نہیں ہو سکتا۔ فرناز منہ بناتے ہوئے بولی۔ ”طوسہ کوئی معمولی لڑکی نہیں.... وہ.... کون جانے امی خود طوسہ نے کبھی اپنے متعلق تفصیل سے آگاہ نہیں کیا۔ ہمیشہ ہوں ہاں کر کے ٹالتی رہی۔ فرناز تیوریوں پر بل ڈالتی چوٹی بات کاٹ کر بولی۔

میری تو کچھ سمجھ میں آنہیں رہا۔ شاہدہ بیگم عجیب سے انداز میں بولیں۔ ”اس میں سمجھ میں نہ آنی والی بات ہی کیا ہے امی۔ آپ تو جا کر خالہ جان سے دو تین دنوں کے اندر اندر کوئی تاریخ مقرر کر لیں۔

در نہ نیلا کا خیال ہی دل سے نکال دیں۔
 اچھا۔ میں ابھی جا کر راجی سے بات کرتی ہوں شاہدہ بیگم لکھے ہوئے
 وہ بیٹی کی باتوں سے عجیب ہی الجھن میں مبتلا ہو کر رہ گئی تھیں۔
 یقین نہیں آ رہا تھا کہ اگلی بہن اپنے کئے ہوئے وعدے سے پھرنا چاہتی
 ہیں لیکن فرناز کی بات بھی وہ بالکل ہی رد کر دیے کیلئے تیار نہیں تھیں
 وہ اپنے شوہر کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھیں وہ سوچ رہی تھیں
 اگر حقیقتاً ایسا ہی ہوا تو پھر کیا ہوگا۔ دونوں بہنیں ہمیشہ کیلئے ایک
 دوسرے سے چھوٹ جائیں گی۔ دونوں خاندانوں کے آئندہ کے
 تعلقات منقطع ہو کر رہ جائیں گے۔ شاہدہ بیگم سیدھی سا دھی سی پر
 وقتوں کی صورت تھیں کسی گھٹی کو سلجھانے کی صلاحیت ان میں کم سی
 تھی۔ وہ سوچنے لگیں بہن کے سامنے وہ یہ باتیں کیسے کر سکیں گی
 بچپن سے اب تک انھوں نے اپنی بہن کی کسی بات کی تردید کبھی نہیں کی
 تھی۔ ہمیشہ پاس ادب کا خیال رکھتیں۔ اگر کسی بات پر کبھی اختلاف
 پیدا بھی ہوتا تو خاموش ہو کر رہ جاتیں۔
 بیگم شہاب اپنے کمرے میں فکر مند بھی گہری سوچ میں مستغرق تھیں۔
 جمیل کی دن بدن گرتی ہوئی حالت ماں کی فکروں کا سبب تھی۔ دن رات
 جمیل کی سوچ انھیں گھن کی طرح کھائے جا رہی تھی۔ جو ان اور اکوڑا

بچہ نظروں کے سامنے اس حال ہو تو کون مان ہے جس کا کیچہ شوق نہ ہو جائے گا
 کبھی کبھی تو طوسیہ پر انھیں غصہ آجاتا اور اسے برا بھلا کہنے لگ جاتیں لیکن
 تھوڑی دیر کے بعد حیب ان کا غصہ رفع ہو جاتا۔ حالت اعتدال پر آجاتی
 تو سوچتیں اس میں طوسیہ کا بھی کیا تصور اور پھر وہ تمام حالات کو قسمت کا
 لکھا جان کر ایک طویل سرد سانس لے کر خاموش ہو رہتیں۔

شاہدہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں تو قدموں کی آہٹ سن کر بیگم شہاب
 نے سر اٹھایا۔ پریشاں سا چہرہ اور فکر میں ڈوبی ہوئیں دیکھ کر شاہدہ بیگم بچپن
 ہو گئیں اپنے آنے کا مقصد بھول کر بہن کے قریب بیچان کی دلجوئی کی غرض
 سے بولیں۔

”باجی اتنی ہراساں نہ ہوں۔ اشرافا افضل کرے گا۔
 بہن کی بات سن کر بیگم شہاب کی آنکھوں میں آنسو تیرائے۔ پتھر
 کے انجیل سے آنسو خشک کرتے ہوئے بولیں
 ہاں شاہدہ اب تو اسی پر ڈوری چھوڑی ہے۔ دیکھیں کتنی ہم
 گناہگاروں کا امتحاں لیتا ہے۔
 ”مالو ص نہ ہوں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا باجی۔“ شاہدہ بیگم بہن کو
 دلاسا دیتے ہوئے بولیں۔

بیگم شہاب ٹھنڈی سی سانس لیکر رہ گئیں چند لمحے خاموش رہ کر

شاید بیگم نے کہا۔

”میرا خیال ہے کل کسی گاڑی سے واپس چلی جاؤں گی۔“
 ”اتنی بھی کیا جلدی۔ چل جانا ابھی دن بھی کے ہوئے ہیں آگے ہوئے۔“
 ”ساری زندگی بھی ساتھ رہیں تو یہی معلوم ہو گا۔ ابھی دو دن بھی
 نہیں گزرے لیکن باجی وہاں کا خیال بھی دل میں لگا رہتا ہے۔“
 پھر فرناز کے پتا بھی فکر مند ہوں گے۔ شاید بیگم بولیں۔
 خیر تو دو چار دن کے بعد چلی جانا۔ کل ہی جانے کی بات کیا ہے۔
 بیگم شہاب نے جواب دیا۔

کل بھی جانا ہے اور دو چار دنوں کے بعد بھی۔ پھر اگر ان دو چار دنوں
 میں کسی مناسب تاریخ کا تعین کر دیں تو یہ بھی سہی میں فرناز کے پتا کو تار
 دے دوں۔ شاید بیگم بات آگے بڑھاتے ہوئے بولیں۔
 اتنی بھی کیا جلدی ہے شاید۔ نبیل، تماری امانت ہے فکر نہ کرو
 میری کوشش یہی ہوگی کہ جلد از جلد تمہاری امانت تمہیں سونپ دوں۔
 بیگم شہاب سوچتے ہوئے بولیں۔

وہ تو ٹھیک ہے باجی۔ لیکن اب جبکہ ہم لوگ یہاں موجود ہی ہیں تو
 اس مسئلہ کو پھر بھی کیلئے اٹھا رکھنا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔
 شاید بیگم آہستہ سے بولیں۔

تم دیکھ تو رہی ہو۔ یہاں کے حالات سب بھارے آنکھوں کے سامنے ہیں۔ "بیگم شہاب کی آنکھوں میں اداسی اور گہری ہو گئی۔"
ان حالات کو دیکھتے ہوئے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ لڑکی کی شادی کا خیال ہی نہیں ہے۔ "شاہدہ بیگم بولیں۔

لڑکیوں کو ساری زندگی کون بٹھایا کرتا ہے شاہدہ۔" بیگم شہاب حسرت زدہ لہجہ میں بولی۔

پھر جب شادی کرنی ہی ہے۔ تو آج کیا کل کیا۔

میری مانیئے تو اس قہقہے کو دو چار دن میں ہی ختم کر دیجئے کیسی تین کر رہی ہو۔ یہاں کسی کا دل تو ٹھکانے ہے نہیں۔ تم حالات کی نزاکت کا علم رکھتے ہوئے بھی انجان بن رہی ہو۔ جیل میرا کھوتا بچہ ہے۔ اسی کے دم سے میں زندہ ہوں۔ کیا وہ ایسی حالت میں نظر آتا ہے کہ کسی خوشی میں شریک ہو سکے جب اسی کا دل مردہ ہو رہا ہے تو ہم کیا خاک خوش ہو سکیں گے۔ تم تنہا اپنی خوشی کے لئے پورے گھر کی خوشی خاک میں نہ ملاؤ شاہدہ۔ زیادہ نہیں کچھ عرصے کے لئے اور رک جاؤ نبیلا بھاری ہے میں جلد تمہیں سو نہ دوں گی بیگم شہاب بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔"

ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا شاہدہ بیگم نے

جو اپنی بہن کی یہ حالت دیکھی تو کوشش کے باوجود ضبط نہ کر سکیں۔
 بہن کے گلے لگ کر وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ فرماؤں کی
 باتیں ان کے ذہن کے خدائے سے نکل چکی تھیں اور اپنے آپ سے
 شرمندگی محسوس کر رہی تھیں۔ اپنی بہن کی مظلومیت پر انھیں رہ
 رہ کر رونا کرنا پڑا تھا۔

فی دیر تک روتے رہنے کے بعد جب دونوں بہنوں کے
 دلوں میں ہلکے ہوئے تو وہ ایک دوسرے سے الگ ہو کر بیٹھ گئیں۔ مگر
 میں خاموشی طاری تھی اور پورا ماحول اندر وہ سا لگ رہا تھا۔ شاید
 ہم طری جھکائے بیٹھی تھی۔ بڑی بہن سے آنکھیں ملاتے ہوئے نہیں
 نہ مت سی محسوس ہو رہی تھی۔ انھوں نے بڑی بہن کا دل دکھایا تھا
 یہ خیال رہ رہ کر ان کے دل میں تھوڑے کی سی ضربیں لگا رہا تھا۔
 بیگم شہاب کبھی کبھی خاموش نظریں جھکائے بیٹھی بہن کو دیکھتیں
 اور شاہد بیگم کو اپنی طرف متوجہ نہ پا کر غلامیں گھورنے لگ جاتیں کافی
 دیر کی خاموشی کے بعد بالآخر بیگم شہاب ہی نے کمرے میں چھائے ہوئے
 سکو تاکو توڑا۔
 ”کیا سوچنے لگیں شاہدہ۔“

میں مسانی چاہتی ہوں باجی۔ میں نے آپ کو دکھ پہنچایا ہے۔

شاہدہ بیگم آہستہ آہستہ نظریں اٹھاتے ہوئے بولیں۔
 ”بھول جاؤ ان باتوں کو۔“ بیگم شہاب کی نظروں میں ہنس رہا تھا
 ”میں دراصل یہ سمجھ رہی تھی۔ آپ نبیلا کا رشتہ کہیں اور کرنے کیلئے
 چل رہی ہیں۔“ شاہدہ بیگم کی آنکھوں سے ندامت کا اظہار ہو رہا تھا
 پگھلی ہیں یہ تو نے کیسے سمجھ لیا۔ میری بچی کے لئے عامر سے بہتر رشتہ
 اور کہاں ہو سکتا ہے۔ عامر جیسا لڑکا تو چراغ لیکر ڈھونڈنے سے
 بھی سیر نہ آئے گا۔“ بیگم شہاب شاہدہ بیگم کے شانے پر ماتہ کھانڈ
 یہ تو باجی آپ کی عنایت ہے ورنہ وہ کس قابل ہے۔“
 پھر دو چار دنوں کیلئے رک رہی ہونا۔ بیگم شہاب نے موضوع
 بدلتے ہوئے کہا۔

”کیا بتاؤں باجی۔ میرا دل تو خود جانے کو نہیں کر رہا ہے لیکن
 آگے ہوئے دن بھی کافی گزر چکے ہیں۔ پھر فنا کی طبیعت بھی چاٹ
 ہو گئی ہے۔ کئی دنوں سے جانے جانے کو کہہ رہی ہے۔“
 ”جیسی تمھاری مرضی۔“ بیگم شہاب افسردہ لہجہ میں بولیں۔
 ”وہاں جا کر بھی دھیان تو میرا یہیں لگا رہے گا۔ انشا اللہ
 جلد ہی آنے کی کوشش کروں گی۔“
 گھر پہنچنے کے بعد چھٹکارا ملنا شکل شہاب کے ہی کتنے عرصہ بعد آئی ہو۔

وہ تو ہے لیکن بہتو حالات ہی دوسرے ہیں۔ پروردگار اپنا کرم کرے۔۔۔ شاہدہ بیگم اٹھتے ہوئے بولیں۔
 مان ہیں دعا کرو۔ بیگم شہاب نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا
 اور خانوش نظروں سے شاہدہ بیگم کو گمرو سے نکلتا دیکھتی رہیں۔

شاہدہ بیگم کے جانے کے بعد بیگم شہاب پھر سوچ میں ڈوب گئیں۔ آج پہلی بار چھوٹی بہن نے ان کے سامنے زبان کھولی تھی۔
 دلوں بہنوں کے دل صاف ہو چکے تھے۔ دلوں کی غلط فہمیاں دور ہو چکی تھیں لیکن اس کے باوجود ان کے دل میں ایک کسک سی رہ گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھیں کیا معلوم ایک مرتبہ دل میں خیال آئے
 کے بعد اپنے گھر پہنچ کر پھر شاہدہ کے ذہن میں کوئی بات آجائے۔
 وہ نہ جانے کب تک انہیں خیالات میں غلطیاں رہیں کہ
 شہاب صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ بیگم کو گہری سوچ میں
 ڈھلے ہوئے دیکھ کر ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولے۔

کیا سوچ رہی ہو بیگم۔
 کچھ نہیں یونہی جیل کے متعلق سوچ رہی تھی۔ سمجھتے ہوئے
 بیگم شہاب نے مشاہدہ بیگم کا تذکرہ نامناسب سمجھتے ہوئے
 جواب دیا۔

کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کی حالت دن بدن گرتی جا رہی
 ہے۔ شہاب صاحب افسرہ لہجہ میں بولے۔
 ”سوچا کیا تھا۔ اور ہوا کیا۔“

اب ان باتوں کو بھول جاؤ۔ طوسیہ اچھی لڑکی تھی۔ بچنے پر
 کہاں ہوگی بیچاری۔ اس نالائق نے ایک قیمتی میرا کھو دیا۔ شہاب صاحب
 ”کتنا تلاش کیا مگر ہماری قسمت ہی بُری ہے۔“
 ”مگر اب اس کا یہ مطلب تو نہیں بیگم کہ محض اس کی یاد کے سہارے
 زندہ رہا جائے۔“ شہاب صاحب نے کہا۔

یہی سب کچھ میں بھی سوچا کرتی ہوں لیکن کوئی طریقہ ہی کچھ
 میں نہیں آتا۔ بیگم شہاب نے افسرہ لہجہ میں جواب دیا۔
 میرا خیال ہے اس کی شادی کر ڈالو۔ شہاب صاحب چپے
 ہوئے بولے۔

لیکن جیسا کہ ہی منشاء نہیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں بیگم شہاب

نے جواب دیا۔

بچنے دو اس نالائق کو۔ زبردستی کرو ڈالو۔ شادی کے بعد اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گا۔ شہاب صاحب تیرے لیے میں بولے۔
 ”اور کہیں بھری محفل میں انکار کر دیا تو۔“
 بیگم شہاب نے تشویش آمیز لہجے میں اپنے شوہر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”سرتور دوں گا نالائق کا شہاب صاحب غصہ سے بولے تو یہ ہے آپ سے تو بات کرنا ہی گناہ ہے۔“

یعنی... شہاب صاحب بیگم کو کھورتے ہوئے بولے۔
 جوانی میں جذبات انسان کو اندھا کر دیتے ہیں اس میں اپنا برا بھلا سوچنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی۔ اگر ہم بھی اسکے شانہ و منصب بن جائیں تو نتیجہ ظاہر ہے۔ جوان لڑکا ہے۔ ہمیں ایسی تدبیر سوچنی چاہیے کہ سانپ بھی مر جائے اور لالچی بھی نہ ٹوٹے۔ بیگم شہاب اپنے شوہر کو سمجھاتے ہوئے نرم لہجے میں بولیں۔

میں ان باتوں کو نہیں جانتا۔ بہر حال تم جانو تمہارا کام جیسا مناسب سمجھو کرو۔ شہاب صاحب نے ہتھیار ڈال دیئے
 میرا خیال ہے جمیل کو کچھ عرصہ کیلئے باہر بھیج دیا جائے ہو سکتا ہے

باپری فضا موجودہ گھٹن کو ختم کر دیئے بیگم شہاب سوچتے ہوئے وہیں
 بے کار ہے ایک شخص جب اپنے بے تکلف ماحول میں خود کو
 نہیں سمجھا سکتا تو اجنبی فضا میں کیسے مانوس ہو جائیگا۔ ایسے لوگ
 جو دیوانگی کی حدود کو چھوئے لگیں کہیں بھی سکون حاصل نہیں کر سکتے
 اسے تو اپنے ہی حال پر تھوڑو۔ ایک دن خود ہی زخم کھرجائے گا۔
 ”خدا آپ کے منہ کا کہا کرے میرا بچہ جلد ٹھیک ہو جائے۔“
 بیگم شہاب نے آنکھیں بند کرتے ہوئے مرد سانس لی۔۔

پھر دلوں ہی خاموش ہو گئے۔ کمرے میں سکوت چھا گیا۔ ”اپنی
 اپنی جگہ دوں گہری سچ میں غرق تھے یسٹن آلود پیشانیاں گہری فکر
 کی ترجمانی کر رہی تھیں۔“

اس مبتلائے غم گہرنے کی کہانی کوئی نئی نہیں تھی۔ آج بھی یہ
 کہانیاں گھر گھر جنم لے رہی ہیں لیکن ہر گھر میں اس کہانی کا دخل ایک
 نئے انداز سے ہے۔ کہیں یہ جذبات سے مغلوب ہو جانے والے اذاد
 کیلئے گناہوں کی جنت ہے اور کہیں دوائی تسکین کا چشمہ لیکن یہاں
 اندازہ جدا تھا۔ امید اور ناامیدی کے درمیان پروان چڑھتی ہوئی غم و
 اندوہ کے کنارے کھڑی تھی اور اب کسی کو نہیں معلوم کہ اس کا انجام
 کیا ہوگا۔“

شہاب صاحب اور ان کی بیگم دونوں ہی اپنے اپنے خالوں میں کھوئے ہوئے بیٹھے تھے لشروں پر غور و فکر کی علامتیں نمایاں تھیں کہ نبیلا کمرے میں داخل ہوئی۔

”اُو بیٹی... کہاں تھیں...“ شہاب صاحب نے نبیلا کے جانب دیکھتے ہوئے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”نبیلا آداب عرض کر کے ایک طرف بیٹھتی ہوئی بولی۔“
”بھائی جان کے پاس آ رہی ہوں۔“

”کیا کر رہا ہے جمیل۔“ بیگم شہاب نے پُرمردہ لہجہ میں پوچھا
”بچانے کیا بڑ بڑا رہے ہیں۔“ نبیلا افسردہ لہجہ میں بولی۔“

”طوسیہ کا کچھ پتہ چلا۔“ شہاب صاحب نے کرب انگیز لہجہ میں پوچھا
”نہیں پتا۔“ نبیلا سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔“

”نجانے کس حال میں ہوگی بچاری۔“ شہاب صاحب مضمحل لہجہ میں بڑ بڑاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔“

”کہاں چلے۔“ بیگم شہاب صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں

”اپنے کمرے میں چند ضروری خطوط لکھنے ہیں۔“ شہاب صاحب نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے جواب دیا۔ پھر بیگم شہاب سر کو جنبش دیکر رہ گئیں۔

”یہ فرناز اور عامر ناشتہ کے بعد سے نظر نہیں آئے۔“ شہاب صاحب کے جانے کے بعد بیگم شہاب نے نبیلا سے پوچھا۔
فرناز تو اپنے گھر جانے کی تیاری کر رہی ہے۔ اور عامر کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔“ نبیلا بولی۔

”سجائے شاہدہ اپنے دل میں کیا سوچتی ہوگی۔“ بیگم شہاب دمیرے سے بڑبڑائیں۔

”یعنی۔“ نبیلا نے کن انگلیوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”یہی کہ جمیل نے فرناز کو لفٹ نہیں دی۔“

”اس میں سوچنے کی کیا بات ہے می۔ سب ہی جانتے ہیں کہ بھائی جان طوسیہ کو پسند کرتے ہیں۔“

کہہ تو ٹھیک رہی ہو۔ لیکن ان باتوں کو کون سمجھتا ہے مجھے تو یہی دھڑکا کھائے جا رہا ہے کہ کہیں وہ عامر کی نسبت نہ توڑ دیں۔“
بیگم شہاب اپنے خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔
نبیلا نے خاموشی سے گردن جھکالی۔

بیگم شہاب نے ایک نظر نبیلا پر ڈالی اور ایک سروسس لیتے ہوئے بولیں۔

”تم فکر نہ کرو انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

ادہ لالہوں ولا مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ مجھے اپنا
بیٹا سب سے زیادہ پیارا ہے۔ بیگم شہاب جواب میں کچھ کہنے ہی نہ
تھیں کہ عامر دروازے پر کھڑا نظر آیا
کون عامر آد بیٹا۔ اندر آ جاؤ۔

خام کھنڈڑے انداز میں چلتا ہوا نبیلا کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔
”کہاں گھیم آئے بیٹا۔“ بیگم شہاب نے شفقت سے پوچھا۔
”یہ نہی ذرا باز کر گیا تھا۔“ عامر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”کیوں بھیم دو چار دن اور نہیں رک سکتے۔ تم لوگوں کے جانے کے
بعد گھر سونا سنا لگے گا۔“

میرا تو خود جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ لیکن فرناز کی سچی نے ناک
میں دم کر رکھا ہے۔ چلیے چلیے ... جیسے وہاں لٹو پیڑے بٹ رہے ہیں
عامر نے منہ بسورتے ہوئے بیگم شہاب کو جواب دیا۔
خیریت کا خط تو بھیجتے رہو گے نا۔“ بیگم شہاب نے پوچھا۔

آپ اطمینان رکھیں می۔ جاتے ہی خط روانہ کروں گا۔ ویسے مجھے
اس پر۔ آپ لوگ بھی جواب دینے میں کوتاہی نہیں برتیں گے۔“ عامر
نبیلا کو گن انگلیوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

ہماری طرف سے مطمئن رہو۔ بیگم شہاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

عامر اس دوران بیگم شہاب کی نظریں نیلا کی جانب دیکھتا اور
جیسے ہی نیلا کی نظروں سے نظریں پار ہوتیں منہ چڑا دیتا۔ نیلا سر
کمرے کی طرف لپکتا اور عامر سکرانے لگتا بیگم شہاب اپنی فکروں میں غمار
سوئی میں پڑ گئی۔

اس سلسلے شرارتوں سے نیلا کو وہاں ستا اٹھ رہا
رہنا سب معلوم دیا۔ اس نے سوچا اگر مجھ کی نظر پر کسی تو کیا
مٹی بھوک اٹھ رہا ہے کھانا لکوا دوں۔ بیگم شہاب کی رتی ہونے عامر
پر نظر پڑا کہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

آں۔ ہاں بیٹی کھا۔ تیرے کاوقر۔ تو ہوجکا ہے بیگم شہاب چونک کر
بولیں۔

عامر کے سے کہتے ہوئے نیلا کو کہہ نکلیں۔ وہ بیٹھے اس
کا دل تو نیلا کے ساتھ اسے جانے کو چاہ رہا تھا لیکن بیگم شہاب کی
میں یہ مناسب نہیں تھا۔

فرناز کے جانے کے بعد جیل خود کو آزاد محسوس کرنے لگا تھا
 اس کے جانے کے بعد فرناز ہر وقت اس کے قریب رہنے کی کوشش
 کرتی۔ اتنے یقین تھا کہ اس کی راہ میں حائل دیوار گر چکی ہے۔ ایسے ہیں
 ذرا سی تو جہاد کو شش جیل کو ہمیشہ کیلئے اپنا بنا لینے کیلئے کافی ہے
 اس لئے اس غم میں کئی روپ دھارے کبھی وہ جدید ترین فیشن الرمود
 لڑکی کے روپ میں جیل کا دل موہ لینے کی کوشش کرتی اور کبھی
 سیدھی سادھی ایک عام لڑکی کی طرح سامنے آتی۔ پھر جب اس
 پر کبھی اسے دیکھ کر جیل کی آنکھوں میں جذبات کی چمک پیدا نہ ہو سکی
 تو اس نے مجسم ایثار و قربانی کی دیوی بن کر اس کی محبت جیتنے کی
 کوشش شروع کر دی۔

وہ بڑے عہد سے اس کا ہتھوڑا درست کرتی۔ کمرے کو جھاڑ پونچھ کر
 ہر چیز قرینے سے رنجنی زریچوں اور دروازوں کے پردے بدلتی
 بال جانا کر کچھرت ہوئے اچھے اچھے کھن پھرے پر عجیب سی چارگی

ہو نہ خشاک پیٹری زدہ سے رہتے ایسا لگتا جیسے اسکی زہدگی کا مقصد ہی جمیل کی خدمت رہ گیا ہو۔

جمیل فرناز کی اس خدمت گزاری سے متاثر ہو کر اگر کبھی ناز و چار باتیں کر لیتا تو فرناز بڑے انداز سے پیار کا اظہار کرتی جمیل اس طرح بھڑک اٹھتا جیسے اسے گالی دے دی گئی ہو۔ فرناز کی خدمت پر پانی پھر جاتا۔ جمیل کی حقارت بھری زمہ پٹی نظر دیکھ کر اکثر جل جاتی۔

فرناز جا چکی تھی۔ اسکے دل و دماغ پر لکڑی سی پھلج پانے والا کوئی نہ تھا۔ لیکن طوسیہ کیلئے اس کا اضطراب اور بڑھ گیا تھا انتہائی کوشش کے بعد بھی وہ اسے اب تک تلاش نہ کر پایا تھا۔ شہر کی ہر گلی کو پتہ کو اس نے نکال ڈالا لیکن طوسیہ کا کہیں پتہ نہ پتا چلتا تھا تقریباً روز ہی وہ مختلف سڑکوں کے چکر لگاتا ہوا اس سڑک سے گذرتا جہاں پہلے مرتبہ طوسیہ اس کی کار سے ٹکراتے ٹکراتے بھی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوتا... گویا طوسیہ سڑک پر کھڑی اسکی کار کی زد میں آنا چاہتی ہے۔

وہ گھبرا کر بے اختیار بیکوں پر پوری قوت سے دباؤ ڈالتا۔ کار چرچراتی ہوئی رک جاتی وہ بے ساختہ چونک کر چاروں طرف گھبرا

نظروں سے طوسیہ کو تلاش کرتا۔

مگر تصور میں نظر آنے والی طوسیہ حقیقی نظروں کے سامنے وہ
دور تک دکھائی نہیں دیتی اس کا دل بیٹھنے لگتا۔ وہ کارا گئے بیٹھا
آج ہی وہ اپنے کمرے میں بیٹھا خلا میں گھور رہا تھا بیگم شہاب
ابھی ابھی اٹھ کر گئی تھیں۔ ذکر طوسیہ ہی کا تھا بیگم شہاب جمیل کو
سمجھا رہی تھیں۔

بیٹا اب طوسیہ کو بھول جاؤ۔ تم نے اس کو کہاں کہاں تلاش
نہیں کیا۔ میں نے اس کی تہجہ کے لئے کیا کچھ نہیں کیا مگر نتیجہ صفر پر نکلا
وہ کہیں بھی نہ مل سکی۔ بیٹا ہمیں سائے کے پیچھے بھاگنے سے کیا حاصل
بھول جاؤ اسے۔ اس کی یاد کو ذہن سے نکال دو۔

جواب میں جمیل اپنی ممتی کو ایسی نظروں سے دیکھتا رہا گویا اس کے
سلسلے کوئی انتہی بیٹھا ہو۔ اس نے گہری سانس لی۔ اس کی آنکھوں
میں دنیا بھر کا درد سما ہوا نظر آ رہا تھا۔

بیگم شہاب کا کلیجہ کیسے رگا۔ دو ایک مرتبہ انہوں نے جمیل کو مخاطب
کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی جواب نہ پا کر وہاں سے اٹھ آئیں۔ ان کی
چال تباہ دہشتہ دہشتہ تھی۔

بیگم شہاب کے جانے کے بعد وہ صوفیہ پر نیم درازہ کتنی دیر تک سکر

مٹے دروازے کو گھورتا رہا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کمرے کے باہر
طوسیہ کے قدموں کی آہٹ سن چکا ہو اور اب کسی بھی لمحے طوسیہ
دروازے سے کمرے میں داخل ہو کر اس کی طرف بڑھے گی۔ لیکن
تصور حقیقت کا جامہ نہیں پہن سکا۔

پھر اچانک نہ معلوم اس کے دل میں کیا آئی وہ تیزی سے اپنے
کمرے سے نکلا۔۔۔۔ اور باہر پورٹیکو میں کھڑی ہوئی کاریں جا بیٹھا
کار کا انجن اسٹارٹ کیا اور چل پڑا۔

شام کا وقت تھا۔ وہ اب تک شہر کے کئی چکر لگا چکا تھا۔ اس
نے ایسی کوئی سڑک نہیں چھوڑی تھی۔ جہاں اس کی کار گزر سکتی ہو
اس وقت اس کی کار اس سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ جہاں پہلی مرتبہ اس
نے طوسیہ کو دیکھا تھا۔

ٹھیک اسی مقام پر پہنچتے ہی اس نے پوری قوت سے بریک
لگا دیے۔ ہوا سے باتیں کرتی ہوئی کار چرچراتی ہوئی چند گز آگے
جا کر رک گئی۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے پسینے سے شرابوریشانی
کو پونچھا اور گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔

جھیل کے پیچھے آبنوالی دوسری گاڑیاں اس کے یکھت کار
روک لینے پر ایک دوسرے کے ٹکرانے سے بال بال بچی تھیں۔ لیکن جھیل

سب سے لاپرواہ اس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔

اس کے دل و دماغ کا ہر گوشہ طوسیہ... طوسیہ پکار رہا تھا اس وقت یہ پکار اتنی شدید تھی کہ وہ دیوانہ سا نظر آ رہا تھا کسی پاگل کی مانند۔ اس کی بھٹی بھٹی نگاہیں طوسیہ کو تلاش کر رہی تھیں۔ اور پھر لچا لچا ہی اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس کی کار سے چند قدم آگے طوسیہ گردن جھکائے سرک عبور کر رہی تھی۔

طوسیہ... جمیل بے اختیار چیخ اٹھا۔

دوسرے لمحے وہ کار کا دروازہ کھل کر اس کی طرف لپکا۔ طوسیہ نے اپنا نام سن کر گردن اٹھائی اور پھر چوہنی، اس کی نظر کار سے اترتے ہوئے جمیل پر پڑی وہ گھبرا گئی۔

وہ اس وقت سرک کے درمیان میں تھی۔ اس نے سوچا بھاگ کر سرک عبور کر لے اور جلد از جلد کسی گلی میں داخل ہو کر جمیل کی نظروں سے چھپ جائے۔

ٹریفک پہلے ہی جمیل کے کار روکنے سے معطل ہو کر رہ گئی تھی۔

وہ جیسے ہی چند قدم آگے بڑھی اس نے خود کو ایک دوسری کار کے سامنے پایا ایک کرینا کپینج سرک پر گونج کر رہ گئی۔ طوسیہ کار کی زد میں آگئی تھی۔

جیل دیوانہ وار بھاگتا ہوا طوسیہ کے قریب پہنچا۔ طوسیہ کا چہرہ اور کپڑے خون آلود ہو چکے تھے اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

اس نے جلدی سے طوسیہ کو گود میں اٹھالیا۔ اس کی آنکھوں میں دہشت سی برسنے لگی تھی۔ سرک پر ایک ہجوم جمع ہو گیا تھا۔ شخص کی نگاہیں جیل ہی پر مرکوز تھیں۔ طوسیہ پر زعم کی سی حالت طاری ہو گئی تھی۔ اچانک بھیڑ میں سے کسی کی آواز آئی۔

ارے جلدی سے اس کو ہسپتال لیجاؤ۔

جیل اس طرح چونکا جیسے اسے کرنٹ نے پھولیا ہو۔ وہ طوسیہ کو سینے سے لگائے بے تحاشا کار کی طرف بھاگا۔ کار کی پچھلی نشست پر طوسیہ کو لٹا کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔ ڈوبتی ہوئی نبض بتا رہی تھی کہ ابھی کچھ جان باقی ہے۔ جیل نے فوراً کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے قریبی ہسپتال کی جانب روانہ ہو گیا۔

ہسپتال کے کپاؤنڈ میں پہنچ کر جیل نے کار روکی اور طوسیہ کو اپنے بازوؤں پر اٹھا کر اندر داخل ہو گیا۔

سانے ہی کار بیلڈ میں کھڑا ہوا ڈاکٹر کسی برس کو ہدایات دے رہا تھا۔ کپاؤنڈ میں اتنی تیزی سے داخل ہوتی ہوئی جیل کی کار نے اسے

اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ جمیل کے بازوؤں پر زخمی طوسہ کو دیکھ کر اس کی طرف دوڑ پڑا۔

”اشرف... اسے بچاؤ... اسے کسی بھی قیمت پر بچاؤ میرے دوست۔“ وہ ڈاکٹر کو مخا طیب کرتے ہوئے گھبرائے ہوئے جمیل کو بلا جمیل اور ڈاکٹر اشرف ایک دوسرے کے دوست تھے۔ ان دونوں نے ایک ساتھ ہی ڈاکٹری پاس کی تھیں۔ جمیل کی وحشت زدہ حالت دیکھ کر ڈاکٹر اشرف بھی گھبرا کر حیرت زدہ سا کھڑا اسکی شکل دیکھنے لگا۔

”میری شکل کیا دیکھ رہے ہو اشرف۔“ جمیل جھجھکا کر بولا۔

”تمھاری کار سے ایک سی ڈی ملے ہوئے ہے کیا۔“ ڈاکٹر اشرف نے وارڈ برائے کو اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

وارڈ برائے خود جمیل کی طرف اسٹریچر لئے دوڑ پڑے تھے ان لوگوں نے جلدی سے طوسہ کو اسٹریچر پر ڈالا اور کمرے میں لے جا کر لٹا دیا۔

جمیل ڈاکٹر اشرف کے ساتھ اسٹریچر کے آگے آگے تھا۔ اشرف نے جمیل کی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا تھا کہ زخمی لڑکی کا اس کی ذات سے کوئی خاص تعلق ضرور ہے۔

وہ جانتا تھا جمیل کٹھن حالات میں گھبرانے والا نہیں ہے اس نے

جسٹیل کے ہاتھوں بڑے بڑے پیچیدہ کیس ٹھیک ہوتے دیکھے تھے
 جسٹیل شہر کے اچھے ڈاکٹروں میں سے تھا خصوصاً سرجری میں شاید
 ہی اس کے مقابلے کے درمیں ڈاکٹر مشکل سے پورے شہر میں ہوں۔
 کمرے میں پچھلے حمل طوسیہ پر جھک گیا اس کی بھیگی ہوئی وحشت وہ
 آنکھوں سے آنسو بہہ کر طوسیہ کے پتھر پر گر گئے۔

طوسیہ... میری طوسیہ... تم نہیں رہ سکتیں۔ میں تمہیں رنے
 نہیں دوں گا۔ جسٹیل اس کے غون میں بھیگے ہوئے۔ بالوں کو ہاتھ
 سے پٹاتے ہوئے جذباتی لہجہ میں بولا۔

ڈاکٹر اشرف نے جسٹیل کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

کتنے حساس ہو تم... تم نے ایسا کیوں سوچا کہ میں تمہاری وجہ
 سے جا رہا ہوں۔ پگلی میں تیرا تازہ کو بے وقوف بنا رہا تھا۔ دوسرے
 کوئی بہانا بنا کر مال دیتا۔ تم میری حاصل حیات ہو تھیں چھوڑ کر
 میں کہاں جاسکتا ہوں۔ ایسا لگ رہا تھا جمیل کی آواز کہیں
 دور سے آرہی ہو۔

طوسیہ جمیل زندگی میں صرف تم سے متاثر ہوا ہے اس نے
 صرف تمہاری پوجا کی۔... آنکھیں کھولو۔ طوسیہ... بولو...
 خدا کیلئے کچھ تو بولو... وہ دیوانوں کی مانند چیخنے لگا۔ اس کی آنکھوں

سب سے تجا شدہ آنسو بہہ رہے تھے۔
 ”جیل تم باہر جاؤ۔“ اشرف جیل کا بازو پکڑ کر اٹھانے پہنچا۔
 ”نہیں... نہیں ڈاکٹر... میں نہیں جاؤں گا۔“ جیل نے جھٹکے سے
 بازو چھوڑنا ہوا بولا۔ ”فدہ کرو جیل۔ تم پھر ڈاکٹر بنو۔ ڈاکٹر اشرف
 ملتجی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

جیل نے ایک لمحے کیلئے ڈاکٹر اشرف کے چہرے پر نظر ڈالی اور
 پھر حسرت بھری نظروں سے طوسیہ کے چہرے کی جانب دیکھے ہوئے
 کمرے سے باہر نکل آیا۔

اس کے نکلنے ہی کمرے کا دروازہ بند کر لیا گیا۔ جیل بڑی پستیابی
 سے کمرے کے باہر ٹہل رہا تھا۔ وہ خود ڈاکٹر تھا اس لئے طوسیہ کی
 حالت اس سے پوشیدہ نہیں تھی۔

وہ سوچنے لگا۔ کیا اتفاق ہے۔ اتنے دنوں کے بعد دل کی مراد
 برائی لیکن اس طرح کہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی زندگی کو موت
 و زندگی کے دورا ہے پر کھڑا دیکھ رہا ہوں۔

اس نے نگاہیں جھٹ کی طرف اٹھا دیں۔ گویا اپنے خدا سے فریاد
 کر رہا ہو۔
 یا باری تعالیٰ۔ میں نے تیری بارگاہ میں ایسا کونسا قصور کیا تھا

جسکی اتھڑی سزا دینے جا رہا ہے۔ رحم کر پروردگار میں اتنی کھٹن
 آزمائش کا تحمل نہیں ہو سکتا۔ مجھ میں اتنی ہمت کہاں ہے کہ تیرے
 امتحان میں پورا اتر سکوں۔“

”تو چاہے تو میری زندگی جہین لے لیکن میری طوسیہ کو بچالے“
 بچانے وہ کب تک خدا کے حضور گڑگڑاتا رہا۔ اور جب نینٹے ٹپتے
 تھک گیا۔ تو گیلری میں کمرے کے سامنے پچھی ہوئی بیچ پر بیٹھ گیا۔
 اگلی نگاہیں بدستور کمرے کے بند دروازے پر لگی ہوئی تھیں، لوہ
 فہم کمرے کے اندر بے ہوش طوسیہ کے گرد منڈلا رہا تھا۔“
 کافی دیر کے بعد کمرے کا دروازہ کھلا۔ ڈاکٹر اشرف کمرے سے
 نکل کر سپد صفا جمیل کے پاس پہنچا جمیل اسکو دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔
 کیا رہا.... اشرف.. ”جمیل نے بے تابی سے پوچھا۔“

ڈاکٹر اشرف نے آہستہ سے اس کے شلے پر ہاتھ رکھ دیا۔
 اور جمیل کے چہرے پر یکسر اضطراب کو محسوس کرتے ہوئے دھیر
 سے بولا۔ ”میرے ساتھ آؤ جمیل۔“

جمیل ڈاکٹر اشرف کے ساتھ ہو لیا۔ کمرے میں پہنچ کر اشرف
 جمیل کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اسکی طرف متوجہ نہ کیا۔
 اس کے اپنے چہرے پر بھی غور و فکر کے ساتھ ساتھ مایوسی کی لکیر بھرائی

”تم بولتے کیوں نہیں ڈاکٹر۔ تم نے طوسیہ کو بچا لیا نا۔ جمیل،
مصطربانہ بچے میں ڈاکٹر کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔
جمیل سرے دوست... ڈاکٹر اشرف کچھ کہتے کہتے
رک گیا۔

کہو... کہو نا... خاموش کیوں ہو گئے۔“
”تمام کوششیں بے کار ثابت ہو رہی ہیں جسم سے خون کافی
مقدار میں نکل چکا ہے۔ ڈاکٹر با یوسی سے سر جھکاتے ہوئے بولا۔
اسے خون دو... خون کیوں نہیں دیتے دیر کس لئے کر رہے
رہو ڈاکٹر۔ اٹھو جلدی کرو جمیل پوری قوت سے میز پر گھونٹہ مارنے
ہوئے چیخ کر بولا۔

اتنا گھبرانے سے کیا فائدہ۔ بیٹھو خون ٹسٹ کیا جا رہا ہے۔“
ڈاکٹر اشرف ہمدردانہ لہجے میں بولا۔

جمیل چہرے کو دونوں ہاتھوں میں چھپاتا ہوا کرسی پر ڈھکیا۔
ہلکی گھٹی گھٹی سانسوں میں چھپی ہوئی کراہیں۔ ڈاکٹر اشرف
اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔ لیکن اس نے خاموش رہنا ہی مناسب
سمجھا۔ ممکن ہے تسلی کا ایک جملہ کب سے رکے ہوئے بند کر ہا کر
لے جائے۔

جمیل نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹائے اور آہستہ سے گروں اٹھا کر ڈاکٹر اشرف کی طرف دیکھنے لگا۔ اسکے ہونٹ کچھ کہنے کیلئے کھلے ہی تھے کہ نرس کمرے میں داخل ہوئی۔

”کیا رہا۔“ ڈاکٹر اشرف نے نرس سے مخاطب ہو کر پوچھا۔
 ”سوری ڈاکٹر۔ خوں میچ نہیں کر رہا۔ نرس نے افسردہ سے لہجے میں جواب دیا۔ ”اوہ.... اب کیا ہوگا۔ جمیل گھبرا کر بولا۔“

یہی سوال ڈاکٹر اشرف کے ذہن میں گونج رہا تھا۔ نرس ڈاکٹر کی ہدایات کی منتظر خاموش کھڑی تھی۔ کبھی کبھی اس کی ایک اچھٹی سی نظر جمیل کے چہرے پر پڑ جاتی۔ جہاں یاس و محرومیاں لہجہ نکالتی تھیں۔ کمرے میں موجود تینوں ہی اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ ہر لمحہ طوسیہ کو زندگی سے دور لے جا رہا ہے۔

”ڈاکٹر میرا خون ٹیسٹ کرو۔“ دفعتاً جمیل کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔
 ڈاکٹر اشرف گہری سوج میں غرق تھا۔ چونکہ جمیل کی طرف دیکھنے لگا۔

جلدی کرو ڈاکٹر۔ وقت کم ہے۔ جمیل ڈاکٹر کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔

”کیا کہہ رہے ہو جمیل۔ بالفرض خون میچ بھی کر گیا تو جانتے ہو کتنا

نون دینا پڑے گا۔ ڈاکٹر اشرف کے چہرے سے حیرت و پریشانی کے طے جلے جذبات ظاہر ہونے لگے۔

تم اٹھو تو جسم کا سارا خون بھی اگر اس کی زندگی کی ضمانت بن سکے۔ تو بھی یہ سودا جنگا نہیں۔ جمیل نے پر غم لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھیں بلا سرا سری چمک سے روشن تھیں۔

لیکن میں تھیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ ڈاکٹر اشرف ہنستے ہوئے بولے۔

شکریہ ڈاکٹر فی الحال تم خون ٹیسٹ کر کے تو دیکھو جمیل! خفیت سی مسکراہٹ لئے بولے۔

ڈاکٹر اشرف نے خشکین نگاہوں سے جمیل کی جانب دیکھا اور پہلے سے مجبوراً جمیل کا خون ٹیسٹ کرنے پر رضامند ہونا ہی پڑا۔

دونوں کے خون ایک ہی گروپ کے ثابت ہوئے اس کا مطلب تھا جمیل کا خون طوسیہ کے لئے کارآمد تھا۔ ڈاکٹر اشرف نے اور جمیل نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

اشرف یہ ایک زندگی کا سوال ہے۔ اگر تمہیں میرے جذبات کی پرواہ نہیں تو اپنے مرض کا تو خیال کرو۔ تمہاری غفلت کسی کسی کی موت ہے۔ بخدا اگر اس نے دم توڑ دیا تو جمیل بھی زندہ

نہ رہ سکے گا۔ ڈاکٹر اشرف ایک لمحہ فہمی ہے۔ ورنہ زندگی بھر بھٹکاؤ
ڈاکٹر اشرف نے جواب میں دونوں ہونٹ دائرے کی شکل
میں سکیڑتے ہوئے سر کو آہستہ سے جنبش دی اور کرسی چھوڑ کر کھڑا
ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد طوسیہ کے جسم میں جمیل کا خون منتقل کیا جا رہا
تھا۔ ڈاکٹر اشرف یاس زدہ نظروں سے طوسیہ اور جمیل کی جانب
دیکھ رہا تھا۔ اس کی پیشانی شکن آلود تھی۔

خون دینے کے بعد ڈاکٹر اشرف جمیل کو اس کمرے سے بٹانے
کی ہدایات دیتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کے ذہن میں اب تک
جمیل کا وہ جملہ گونج رہا تھا۔ جو اس نے خوں دینے سے قبل
راز دارانہ انداز میں اس سے کہا تھا۔

ڈاکٹر اشرف تم میرے بہترین دوستوں میں سے ہو۔ تم
اس بات کو اپنے تک ہی محدود رکھنا۔ طوسیہ کو معلوم نہ ہونے
پائے کہ اس کے لئے خون دینے والا میں ہوں۔

یہ بات اشرف کیلئے مزید غلط فہمی کا باعث بنی تھی۔ کہاں جمیل
کا وہ انداز گفتگو..... جو طوسیہ سے گہرے لگاؤ کا اظہار کر رہا
تھا۔ کہاں اس کے برعکس یہ جملے بات کچھ سمجھ میں نہ آنے والی تھی۔

یا پھر اس کا یہی مطلب اخذ کیا جاسکتا تھا۔... کہ محبت یکطرفہ ہے
 یکطرفہ محبت.... اور جمیل جیسا نوجوان سوچ سوچ کر ہی اس کا
 دماغ ماؤٹ ہونے لگا تھا۔ اور اسی سوچ بچار میں وہ سگریٹ پر سگریٹ
 پھونکے چلا جا رہا تھا۔

طوسیہ اب رو بصحت تھی۔ ڈاکٹر اشرف اس پر اپنی پوری صلاحیتوں
 کو بروئے کار لایا تھا۔ مگر جمیل کی حالت ابھی تک خطرے سے باہر
 ہوئی تھی۔ جمیل کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اشرف کے چہرے
 پر پتہ مردگی چھا جاتی۔ وہ ڈبڈبالی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھتا تھا
 اور اسی لمحے اسے طوسیہ سے نفرت سی ہونے لگتی۔ اور اس کے منہ سے بے
 اختیار نکل جاتا۔

میرا دوست آخر جوانی کے اندھے جذبات کا شکار ہو گیا۔
 جمیل کے گھر والوں کو ڈاکٹر اشرف نے کافی دیر کے بعد مطلع
 کیا تھا۔ یہ بھی جمیل کی خواہش تھی اور اشرف جمیل کی اس خواہش

جھٹلا کر رہ گیا تھا۔

ڈاکٹر اشرف اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ پیشانی شکن آلود اور آنکھوں میں گہری اداسی کی جھلکیاں صاف عیاں تھیں۔ چاہے کسی نے ہلکے سے دروازے پر دستک دی۔

آ جاؤ۔ ڈاکٹر اشرف دروازے کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔
 دروازہ کھلا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی طوسیہ اس کے قریب کر
 کھڑی ہو گئی۔

”ڈاکٹر صاحب کیا میں اپنے گھر جا سکتی ہوں؟ طوسیہ نظریں
 جھکائے آہستہ سے بولی۔

”نہیں تمہیں ابھی چند روز اور رکنا ہے یہاں۔ ڈاکٹر اشرف
 نے جواب دیا۔

”ڈاکٹر۔ زلیست کی تلخیاں تو اتنی ہیں کہ جینے کی تمنا ہی باقی نہیں
 رہی۔ پھر بھی میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مسیح بنکر میری
 جان بچائی۔ چند لمحے خاموش رہ کر طوسیہ بولی۔

”غلط ہے۔ میں نے تمہاری جان نہیں بچائی تمہیں نئی زندگی دی والا

مسیح خود موت کی گود میں ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔“

”میں آپ کا طلب نہیں سمجھی ڈاکٹر۔“

”سمجھنے کی ضرورت بھی کیا ہے دنیا میں ایسے بے وقوفوں کی کمی نہیں
جو ایک حسین مسکراہٹ کیلئے اپنی زندگی کی بازی لگا دینے سے بھی نہیں چرتے۔“
ڈاکٹر اشرف کے ذہن میں جمیل کا چہرہ گھومنے لگا۔
”آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ڈاکٹر۔“ طوسیہ ڈاکٹر اشرف کو گھورتے
ہوئے بولی۔

”کاش کچھ کہہ سکتا۔ دوستی کے ہاتھوں ہونٹوں پر پڑے ہوئے قفل
کو کھول نہیں سکتا ورنہ تمہارے چہرے سے معصومیت کی یہ نقاب
ضرور اتار پھینکتا۔“

طوسیہ پچی پھٹی آنکھوں سے ڈاکٹر اشرف کی طرف دیکھنے لگی پھر
دفعتاً اس کے چہرے پر غصہ کے جذبات ابھر آئے۔

میں آپ کی باتوں سے صرف اتنا اندازہ لگا سکی ہوں کہ
کوئی خاص بات؟ کی بنا پر آپ مجھ سے برہم ہیں۔ کیا بات ہے
وہ غالباً آپ مجھے بتانا نہیں چاہتے۔ بہر حال مجھے اسکی تشویش نہیں
میں تو آپ کو سن سمجھ کر شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔“

میں لمبہ ہکا بوا۔ تمہاری زندگی کسی دوسرے کی مرہون منت
ہے تمہیں خون کی سخت ضرورت تھی۔ تمہاری جان بچانے کیلئے اس
نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی اور اب خدا کی طرف سے کوئی معجزہ ہوا

اس کی جان بچا سکتا ہے۔

”اوہ..... ڈاکٹر کون ہے وہ فرشتہ؟“

”مجھے افسوس ہے محترمہ۔ اس سے آگے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔“

ڈاکٹر اشرف نے رکھائی سے جواب دیا۔

”ڈاکٹر مجھے اس محسن کے پاس لے چلو۔ دوسروں کی خاطر اپنی جان

کی باز لگا دینے والے فرشتہ کو میں ایک نظر دیکھ لوں۔“

مجبور نہ کرو طوسیہ۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں۔ ڈاکٹر اشرف نے ناگوار سے لہجے میں جواب دیا۔

طوسیہ چند لمحوں تک بیٹھی کچھ سوچتی رہی۔

اس کی آنکھیں ڈبڈبائی تھیں۔ اس کے کپکپاتے ہوئے

ہونٹ کچھ کہنے کیلئے بے چین سے نظر آ رہے تھے۔ لیکن ڈاکٹر اشرف کا

رویہ دیکھ کر اسے مزید کچھ کہنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

اس نے ایک نظر ڈاکٹر پر ڈالی اور اٹھ کر تیزی سے کمرے

باہر چلی گئی۔

”ناگن.....“

ڈاکٹر اشرف اس کے جانے کے بعد بڑبڑایا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کمرہ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں اس وقت

بھی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے آخری انجکشن جمیل کے لگایا تھا۔ یہ اس کی آخری کوشش تھی اگر ایک گھنٹہ کے اندر اسے بوش نہیں آیا تو پھر اس کا بچنا ممکن نہیں تھا۔ اس کا رخ جمیل کے کمرے کی جانب تھا۔

جمیل کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے ٹھٹھک کر رک جانا پڑا جمیل کی والدہ اس کے سر پر بیٹھی دیوانوں کی مانند بڑبڑا رہی تھیں قریب کھڑی نبیلا کی کرناک سسکیاں کمرے کے ماحول کو اتناک بنا رہی تھیں۔

جمیل... بیٹا جمیل..... انکس کھو لو بیٹے... تمہاری ماں کی دنیا اندھیری ہوئی جا رہی ہے۔... کچھ بولو... کچھ بولو میرے لال۔

ذرا صبر سے کام لیجئے مٹی۔

گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ افشاں جلد صحتیاب ہو جائینگے ڈاکٹر اشرف آگے بڑھتا ہوا بولا۔

بیگم شہناز سسک کر رہ گئیں۔ ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے ان پر سکتہ طاری ہو گیا ہے۔

بھیا کیا اپنی نبیلا سے بھی نہیں بولو گے۔ تم تو اپنی بہن کی

جھوٹی خوشیوں سے بھر رہے تھے۔ آنکھیں کھول بھیا۔ اپنے سینے
لگاؤ۔ مجھے سب کچھ مل جائے گا۔

نبیلا کی سسکیوں میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری میرے ساتھ
آئیے۔

ڈاکٹر اشرف بیگم شہاب کو اپنے ہمراہ لے جاتے ہوئے نبیلا کے
”نبیلا بہن اس طرح رونے سے کیا فائدہ۔ خدا کے حضور
دعا کیجئے۔“

بیگم شہاب خاموشی سے اس کے ساتھ ہو لیں۔ ڈاکٹر
اشرف انھیں اپنے کمرے میں لے آیا۔

بیگم شہاب کی آنکھوں سے آنسو بہتا تو بند ہو چکے تھے
لیکن ان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ دل اب بھی نوکھ کناں ہے۔
”ممتی میں آپ کا درد سمجھتا ہوں۔ لیکن ضبط سے کام لیں۔
جب آپ ہی اس طرح بہہ جائیں گی تو نبیلا بہن کا کیا ہو گا۔
ڈاکٹر اشرف تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

”ہوں۔“

بیگم شہاب طویل سانس لیتی ہوئی بولیں۔
”بیٹی! تم جمیل کے دوست ہو۔ میں بھی تو اس کی ماں ہوں

مجھے حقیقت سے آگاہ کر دو۔“

”کیسی حقیقت ممتی۔“

اشرف، بیگم شہاب کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔
تمہارے اسپتال کی درودیوار چہرے گونیاں کر رہی ہیں
”جمیل۔“

”کسی زخمی لڑکی کو اٹھائے یہاں آیا تھا۔“

ڈاکٹر اشرف ایک طویل سانس لیکر رہ گیا۔
وہ چند ثنائے کچھ سوچتا رہا اور پھر اس نے تمام واقعہ بیگم شہاب
کو سنا دینا ہی مناسب سمجھا۔

”ڈاکٹر بیڈ بن گئی رہ کی مریضہ کھڑ جانے کیلئے صدمہ کر رہی ہے۔
اچانک کمرے میں نرس داخل ہوئے ہوئے بولی۔“

”اس کے اپنے روم پر ڈسچارج کر دو۔“
ڈاکٹر اشرف کے چہرے پر ناگواری کی لکیریں ابھرائیں۔
”کون ہے وہ لڑکی۔“

”مجھے بھی تو دکھاؤ۔“

نرس کے جانے کے بعد بیگم شہاب بولیں۔ کیا کچھ گامتھی۔
دیکھنے میں بڑی معصوم ہے لیکن کسی ناگن سے زیادہ زہرے ہیں

”پھر بھی۔“

”اگر ممکن ہے تو مجھے اس لڑکی کو ضرور دکھاؤ۔“

”آپ کی مرضی۔“

”ابھی میں نے نرس سے اسی کے متعلق کہا تھا۔“

”آئیے دیکھ لیتے ہیں۔“

”ممکن ہے ابھی نہ گئی ہو۔“

ڈاکٹر اشرف کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

بیگم شہاب ڈاکٹر اشرف کے ہمراہ باہر آگئیں۔ برآمدے سے گزرتے ہوئے اچانک اس کی نگاہ گیٹ کی طرف جاتی ہوئی

طوسیہ پر پڑی۔

”دیکھئے وہ جہاں ہی ہے۔“ ڈاکٹر اشرف طوسیہ کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے بولا۔

بیگم شہاب طوسیہ پر نظر پڑتے ہی چونک پڑیں۔

”تم فحش رویہ ابھی آتی ہوں۔“ بیگم شہاب طوسیہ کی جانب بڑھتے

ہوئے بولیں۔

ڈاکٹر اشرف تحیر آمیز نظروں سے بیگم شہاب کو جاتے دیکھتا

رہا۔ طوسیہ گردن جھکائے گیٹ کی طرف جہاں ہی تھی بیگم شہاب

تیزیز قدم بڑھاتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گئیں۔
 ”ظہر جاؤ طوسیہ بیٹی۔“ طوسیہ ٹٹٹھک کر رکی اور پوچھ لائی ہوئی تیری
 سے پٹ کر بیگم شہاب کی طرف دیکھنے لگی۔

”خالہ جان۔“ بے ساختہ اس کے سے نکلا اور وہ بیگم شہاب
 چٹ گئی۔ ”آپ یہاں کیسے۔“ طوسیہ نڈھال سی آواز میں بولی۔
 ”اپنی بد قسمتی کا ماتم کرنے۔“ بیگم شہاب نے بھرائی ہوئی آواز میں
 جواب دیا۔

”کیا مطلب... سب خیریت ہے نا۔“
 ”بعد میں بتاؤں گی۔ مجھے ابھی ابھی ڈاکٹر کی ربانی معلوم ہوا
 تھا۔ تم بتاؤ اب کیسی طبیعت ہے تمھاری۔ کیا حال ہو گیا میری
 بچی کا۔“

”بڑی سخت جاں ہوں۔ خالہ جان۔ یہ حادثہ بھی زندگی کی
 دور کو نہ توڑ سکا۔ سنا ہے کسی نے فرشتہ بکر میری جان پکائی ہے۔“
 ”کس نے۔ کیا تم اسے نہیں جانتی۔“

”یہ بد قسمتی ہے میں اپنے محسن کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی۔
 ڈاکٹر سے معلوم کیا تھا۔ لیکن اس نے بھی کچھ نہیں بتایا۔ بلکہ اس
 ذکر نے اس کی آنکھوں میں میرے لئے نفرت و حقارت بھری تھی۔“

میں نے سوچا تھا چلتے ہوئے کم از کم شکریہ ہی ادا کرتی جاتی۔“

”اوہ.....“

”تو تمہیں اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔“

”خیر۔“

”اگر چلتا چاہو تو میرے ساتھ آؤ میں جانتی ہوں اس کا مکہ۔“

بیگم شہاب اپنے جذبات پر بڑی مشکل سے قابو پارہی تھیں

”آپ کو معلوم ہے۔“ چلیے خالہ جان۔“

میں سوچ رہی تھی۔ اس عظیم شخصیت سے ملے بغیر چلے جانا

ناشکری ہی نہیں بہت بڑا اخلاقی جرم بھی ہے۔“

طوسیہ بیگم شہاب کے ہمراہ جمیل کے کمرے میں داخل ہوئی

ڈاکٹر اشرف نے دیکھتے ہی منہ پھیر لیا۔

جمیل کے سرانے بیٹھی ہوئی نبیلا طوسیہ کو دیکھ کر چونک

پڑی۔ اور اس کی حسرت بھی نظریں جمیل کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

”طوسیہ تم ٹھیک وقت پر آ گئیں۔“

”اپنے برباد کرنے والے کی حسرت تک موت پر اگر قبضہ نہیں

لگا سکتیں تو مسکرا ہی دو۔“

”جمیل.....“

”طوسیہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔“
 اور اسکی آنکھیں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا پڑ بڑاتے
 ہوئے عمیل پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔
 طوسی.... بچانے.... تم غلط فہمی.... کا شکار ہو کر...
 کہاں.... چلی گئیں۔
 ”تمہیں یاد ہے۔“

”وہ حسین شام۔ جب تم میری کار کے نیچے آتے آتے بچی تھیں۔
 میں تمہیں دیوانوں کی مانند دیکھتا رہ گیا تھا۔ تم ٹھہر کر اپنی دیرانِ نظر
 سے ادھر ادھر دیکھتی ہوئی چلی گئیں۔“

”میرے دل کی دنیا اپنی یادوں سے آباد کر گئی تھیں۔ کیا
 تمہارا ہی تصور تھا۔ جس کی وجہ سے میں کے اپنی بہن کو ناراض
 اپنے والدین سے سرکشی کرتے ہوئے شادی سے انکار کر دیا
 تم مجھیں میں نے تمہاری غربت کا مذاق اڑایا ہے تمہیں یقین
 ہو گیا کہ میں تمہاری والدہ کا قاتل ہوں۔ کاش! میں تمہیں اپنی بیگناہی
 کا یقین دلا سکتا۔۔۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں طوسیہ۔ غم تو یہ ہے
 کہ تم نے مجھے سمجھا نہیں۔ تم مجھ سے دور رہنا چاہتی تھیں۔ خوش ہو
 میں اس دنیا ہی سے جا رہا ہوں۔“

طوسیہ چند لمبے پھیٹی پھیٹی آنکھوں سے بستر پر پڑے ہوئے جمیل کو دیکھتی
 رہی۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔

جمیل کے منہ سے دھیرے دھیرے نکلتے ہوئے جملے سب ہی سن
 رہے تھے۔

ڈاکٹر انٹرن اپنی ڈیڈ بائی ہوئی آنکھوں سے طوسیہ کی جانب دیکھنے
 لگا۔ جس کی آنکھوں کا سنوؤں کے سوتے پھوٹ کر بہہ نکلے تھے اس کے
 دل کو ٹھیس لگی تھی۔

بیگم شہاب سکتے کے عالم میں جمیل کی جانب دیکھ رہی تھیں۔
 ماحول پر گہری ماد اسی چھائی ہوئی تھی
 "جمیل"۔

دفعہ طوسیہ کے منہ سے ایک چمچ نکلی اور وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی
 جمیل سے لپٹ گئی۔

"نہیں... جمیل... تم نہیں مر سکتے۔ میں تمہیں نہیں مرنے
 دوں گی۔"

مجھے معاف کر دو جمیل۔ میں نے تمہیں غلط سمجھا... خدا کے لئے
 مجھے معاف کر دو۔

طوسیہ جمیل کے سینے پر سر رکھ کر گہری گہری... بسکیاں ملنے لگی

دفعۃً جمیل کے چہرے پر کرب کے آثار سے نظر آئے۔
 ڈاکٹر اشرف لپک کر جمیل کے قریب پہنچا۔ اس نے اپنی انگلیاں جمیل
 کی نبض پر رکھ دیں۔

”جمیل.... مجھ سے نہیں بولو گے۔ کیا مجھے معاف نہیں کرو گے؟“
 طوسیہ جمیل کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولی،
 ”آنکھیں کھولو بھیا۔ دیکھو تمھاری طوسیہ تمھیں ہلا رہی ہے۔“
 نبیلا جمیل کے قریب آتے ہوئے بولی۔

اجانک جمیل کے پیوٹوں میں ہلکی سی جنبش ہوا، اور پھر آہستہ آہستہ
 اس کی آنکھیں کھلتی چلی گئیں۔ اس نے ایک انجان سی نظر طوسیہ پر ڈالی اور
 دھیرے سے آنکھیں بند کر لیں۔

میں نے تمھیں غلط سمجھا۔ مجھے معاف کر دو جمیل۔ مجھے معاف کر دو۔
 ”طوسیہ گڑ گڑاتے ہوئے بولی۔

جمیل کی پلکوں کے پردے آہستہ آہستہ دوبارہ سمٹنے لگے۔ اس
 کی نظریں طوسیہ کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

”طو.... سیہ....“ اس کے منہ سے بڑی غصہ سے نکلا۔
 ”یا اللہ تیرا خکر ہے۔“ ڈاکٹر اشرف چھت کی طرف دیکھتے ہوئے
 آہستہ سے بولا۔

بیگم شہاب حسرت بھری نظروں سے جمیل کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

ڈاکٹر اشرف کی آواز سن کر اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
 ڈاکٹر اشرف مسکراتا ہوا بیگم شہاب کے قریب آکر بولا۔
 ”اب جمیل کی زندگی خطرے سے باہر ہے۔“

نبیلا کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ بیگم شہاب کے ہاتھ بے
 اختیار خدا کی بارگاہ میں اٹھ گئے۔

تمنا مستند

